مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے

کشفُ العِرفان

المعروف

نصابِ روحانیت

تصوف کی اصطلاحات ومقامات کی شرح

کشف العرفان

تالیف وترتیب
الحاج محمد ظہور الحسن اویسی
قادری صابری مجددی

تعمیر ملّت فاؤنڈیشن
جامعہ انوارِ مدینہ، محلّہ محمد نگر، کمالیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

نام کتاب	:	كشف العرفان
تالیف وترتیب	:	الحاج محمد ظہور الحسن اویسی قادری صابری مجددی
پروف ریڈنگ	:	صاحبزادہ عبدالقادر
طابع	:	الحاج محمد سعید خالد قادری
صفحات	:	160
طباعت اوّل	:	جنوری 2011ء
کمپوزنگ	:	حیدر کمپیوٹر
تعداد	:	500
قیمت	:	150 روپے

(نوٹ): فہرست مضامین آخر میں ملاحظہ کریں۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o

حدیثِ دل

تصوف و روحانیت کی تعلیمات اور سلوک و طریقت کی راہ ہی روح اسلام ہے۔ تمام آئمہ سلف جہاں عظیم مفسرِ قرآن، محدث، فقیہ اور علوم شریعت کے امام تھے وہاں تعلیمات تصوف و روحانیت کا مکمل ادراک رکھنے کے سبب صاحبان کشف و کرامات بھی تھے۔ انہیں ولایت اسلام میں شیخ طریقت، صوفی، درویش، فقیر، ولی کامل کا نام دیا جاتا ہے اور اصطلاح تصوف و روحانیت اسلام میں اسے ''خانقاہی نظام'' سے بھی پکارا جاتا ہے۔

اسلام کی تاریخ کے اوّلین دور سے ہی یہ روحانی خانقاہی نظام جاری و ساری ہے۔ ہر دور اور ہر صدی میں بڑے بڑے صوفیائے عظام نے اپنے قلبی احوال، ارشادات و فرمودات سے انسانیت کو فیضیاب کیا اور ان کو قلم بند بھی کیا۔ اور خانقاہی نظام اور تصوف پر بے شمار کتب تصنیف کیں۔ ان کتب تصوف میں اولیائے کاملین پر جو باطنی روحانی کیفیات وارد ہوئیں، انہیں واضح لکھنے کی بجائے اکثر مخصوص الفاظ میں اشارتاً لکھا گیا۔ جب کوئی طالب طریقت و سلوک اس راہ میں سفر کرتا تو اسے بھی ان روحانی واردات و کیفیات سے گزرنا پڑتا مگر ابتداً کامل روحانی شعور و آگہی نہ ہونے کی وجہ سے اپنی روحانی منزل کے مقام سے نا آشنا رہتا۔ جب وہ سلف اولیائے کاملین کی کتب کا مطالعہ کرتا تو اس میں تصوف و روحانیت کی اصطلاحات و مقامات کی پوری تشریح نہ ہونے کی وجہ سے اس کی روح تشنہ رہتی۔ اگرچہ وہ کسی شیخ طریقت سے وابستہ ہوتا کیونکہ بغیر شیخ کامل کے یہ منزل حاصل ہی نہیں ہوتی۔ جو راہ سلوک کا دعویدار کسی شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر اس راہ کا دعویٰ کرتا ہے وہ کبھی بھی کسی روحانی مقام کو پا نہیں سکتا ہے۔ اور وہ بعض اوقات طالب مولیٰ اپنے شیخ کامل سے زیادہ قربت اور عدم ملاقات کی وجہ سے بھی پوری طرح ان روحانی مقامات کی پہچان سے محروم رہتا ہے۔

کئی مخلص احبابِ طریقت جنہیں سلسلہ روحانیت سے دلچسپی تو ہوتی ہے مگر تصوف کی ضخیم

کتب خریدنے کی استطاعت نہیں ہوتی، اظہار خیال کیا کہ تصوف کی اصطلاحات اور مقامات کی شرح کو ایک مختصر کتاب کی صورت میں مرتب کر دیا جائے تو ہزاروں متلاشیانِ طریقت وتصوف کو بے حد روحانی فائدہ حاصل ہوگا۔ اس روحانی ضرورت کے پیش نظر یہ کتاب لکھنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا۔ جسے اپنے ''وجدان'' کے مطابق مرتب کر کے اہل دل کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

خاکپائے اولیائے کاملین

الحاج محمد ظہور الحسن اویسی

قادری صابری مجددی

فون:0334-6423073

☆☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

درس قرآن

راہ سلوک وطریقت اور تعلیم تصوف کا قرآنی تقاضا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلًا ○ (المزمل:۷)

1- ''اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اُسی کے ہو رہو''۔(تفسیر ضیاء القرآن)

2- ''اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں اور اپنے قلب و باطن میں ہر ایک سے ٹوٹ کر اُسی کے ہو رہیں''۔(ترجمہ عرفان القرآن)

شرح: سورہ مزمل کے نزول کا مقصد قیامِ لیل کی فضیلت ہے۔حضور اقدس ﷺ خود اور آپ کے صحابہ سحر خیزی فرمایا کرتے تھے۔جملہ اولیائے امت نے شب بیداری کو اپنی زندگی بھر کا معمول بنایا ہے۔ اس کے بغیر قرب خداوندی کی منزل حاصل نہیں ہوتی۔درویش لاہوری علامہ محمد اقبالؒ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

عطارؒ ہو، رومیؒ ہو، رازیؒ ہو، غزالیؒ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا، بے آہِ سحر گاہی

مقصد یہ ہے کہ رات کو قیام کیا کرو۔نماز (یعنی نوافل) وقرأت (یعنی تلاوت قرآن کریم کا مفہوم سمجھ کر پڑھنے) میں شب بسر کیا کرو اور ذکر الٰہی رات دن، صبح وشام کیا کرو۔لیکن یہ مقام (یعنی رات کو جاگنا، قیام کرنا، نوافل ادا کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا) حاصل نہیں ہوتا جب تک دل (کامل محویت کے ساتھ) ذاکر نہ ہو۔روح کی گہرائیوں میں ذکر الٰہی رچ بس جائے۔اور حق تو یہ ہے کہ صرف دل کا ذکر ہی حقیقی ذکر الٰہی ہے۔کیونکہ ذکر کا معنی درحقیقت ''غفلت'' کو دور بھگا دینا ہے اور

یہ اسی وقت ہوتا ہے جب دل یعنی روح بھی ساتھ ذاکر ہو۔ ذکر الٰہی میں ہمہ گوش محو ہو۔ کیونکہ زبان بسا اوقات ذکر کرتی ہے لیکن دل غافل ہوتا ہے بے توجہ ہوتا ہے۔ ایسے ذکر (یاد الٰہی) کو ذکر کہنا بڑی زیادتی ہے۔

تَبَتَّــــــلْ کا مفہوم علامہ آلوسیؒ نے یہ بتایا ہے۔ (ترجمہ) یعنی ہر طرف سے تعلق توڑ کر عبادت میں مشغول ہو جا اور نفس کو ماسوا کے خیال سے پاک کرے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے مراقبہ میں مستغرق ہو جا۔

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان دنیا سے قطع تعلق کر لے۔ عبادت کے لیے کسی جنگل میں ڈیرہ لگا لے اور اپنی جان کو بھوک، پیاس سے مار دے۔ اپنے نفس کو از خود مشکلات کے حوالے کر دے۔ مقصود صرف تنہائی کا یہ ہے کہ خیالات کو پاکیزہ کر کے یکسو کرے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا خوگر بنا دے۔ لہب و لہو والی زندگی کو ترک کر دے۔ آیت مبارکہ میں یہ تصور ہرگز نہیں ہے کہ گھر بار سے سروکار نہ رہے۔ اہل و عیال کا خیال ترک کر دے۔ ہرگز اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد نبویؐ ہے...... **لَا رَهْبَانِيَةَ فِي الْإِسْلَامِ** کہ اسلام میں رہبانیت (ترک دنیا کا تصور) کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابن عمرؓ کو ارشاد فرمایا: (ترجمہ) کہ تیرے نفس (یعنی تیری جان و ذات) کا بھی تجھ پر حق ہے۔ تیرے اہل و عیال کا بھی تجھ پر حق ہے تیرے مہمان کا بھی حق ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ دل میں اللہ کے سوا کسی کی طلب نہ رہے۔ تیرے من میں اللہ کی محبت کا چراغ روشن ہو۔ دنیاوی لذات میں تو گم نہ ہو جا۔ یہ عارضی اور فانی محبتیں ہیں تیرا مقصودِ حقیقی قربِ الٰہی کی منزل پانا ہے۔ یہی مقصود حیات ہے۔ دنیا میں آنے کا مقصد عظیم ہے۔

صوفیائے کرام کا قول ہے کہ جس راہ کے ہم مسافر ہیں اس پر دو قدم ہی اٹھتے ہیں کہ منزل آ جاتی ہے۔ رضائے الٰہی، قرب الٰہی کا ذریعہ صوفیائے کرام کا طرز حیات ہے۔ مختصر یہ کہ: پہلا قدم...... مخلوق سے قطع تعلق ہے۔ ہر معاملہ اللہ کی ذات کے سپرد کرنا۔ اپنی ہر حاجت، ضرورت کے لئے باری تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو متصرف بالذات نہ جاننا۔ مالک حقیقی صرف اللہ

تعالیٰ کی ذات کوتصور کرنا اور دوسرا قدم وصول الی الحق: کہ حق کی جانب سفر کرنا حق پر چلنا، باطل سے دور رہنا، اہل حق، نیک صالحین کی صحبت اختیار کرنا۔

ذرا اس آیت مبارکہ پر مزید غور وفکر فرمائیے حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب کا نام یاد کرو۔ وَاذْكُرْ رَبَّكَ ......نہیں کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری رسائی اس کے اسمائے حسنیٰ کے ذکر تک ہے۔ اس کی ذات کا ذکر بڑی دور کی منزل ہے۔ کیونکہ ذات کا مشاہدہ تو حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ جیسے عظیم رسول کو بھی نہ کرایا گیا ہم کس باغ کی مولی ہیں۔ ہمارا کام، انسانی طاقت کے مطابق کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ یہ خفی ہو یا جلی، شیخ کامل کی ہدایت کے تحت ذکر الٰہی میں مشغول ہونا ہے۔ اپنا مقصود حقیقی پانا ہے۔ ذکر الٰہی ہی سے انسان کو حقیقی منزل ملتی ہے۔ یہی ذکر الٰہی، قرب الٰہی کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ بشرطیکہ جذب الٰہی (محبت الٰہی کا داعیہ) دستگیری فرمائے اور شیخ کامل کی توجہ اور کشش نصیب ہو جائے۔ اسی مفہوم ومعنیٰ کو اہل تصوف وروحانیت ماسوا اللہ......کی نفی کہتے ہیں اور شیخ کامل کلمہ توحید کا ابتدائی ذکر کرواتے ہیں تاکہ طالب حقیقی نفی اثبات کے فیض سے منور ہو جائے۔ یہ مقام اور منزل بھی درحقیقت عنایت ازلی اور شیخ کامل کی خدمت اور اس کی بارگاہ کی حاضری سے حاصل ہوتی ہے۔ یہی دستور طریقت ہے یہی راہ سلوک ہے۔ روحانیت وطریقت کا یہی راستہ ہے۔ حضرت یعقوب چرخیؒ کا ارشاد پاک ہے کہ اللہ کی عنایت اور خاصان حق کی عنایت کے بغیر اگر کوئی فرشتہ بھی ہو تو اس کا نامہ عمل سیاہ ہوتا ہے۔

شیخ کامل کی ضرورت کیوں؟

شیخ کامل جو محبوب حق اور مجذوب مطلق (اللہ کی محبت، اللہ کی یاد میں غرق ومحو) ہوتا ہے اس کی ایک نظر مبارک سے طالب مولیٰ کو ظاہر وباطن کی وہ صفائی حاصل ہوتی ہے جو طرح طرح کی ظاہری عبادتوں سے حاصل نہیں ہوتی ہے۔

یا باری تعالیٰ! ہمیں اپنی کششوں سے وہ عطا فرما جو تیری شان کرم کے شایان ہو۔ بقول شاعر:

ے میری طلب بھی تیرے ہی کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں، خود اٹھائے جاتے ہیں

فرمان الٰہی ہے:۔

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا (المزمل)

1- یقیناً یہ (قرآن) نصیحت ہے پس اب جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ۔ (تفسیر ضیاء القرآن)۔

2- بے شک یہ (قرآن) نصیحت ہے۔ پس جو شخص چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے۔ (عرفان القرآن)۔

سورہ مزمل کی اس آیت مبارکہ سے قبل قوم موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے سے انکار کر دیا تو ہم نے اس نافرمان قوم کو تباہ و برباد کر دیا۔ اگر تم نے (اے امت محمد یہ ﷺ) میرے رسول (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) کی دعوت حق کو رد کر دیا تو پھر اس قسم کے انجام کے لیے تیار رہنا چاہئے۔ اس لئے فرمایا اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ یہ تمہارے لئے نصیحت ہے۔ تمہارے لئے خیر کا پیغام ہے یہ تمہارے لئے یاد دہانی ہے تاکہ تم خواب غفلت سے آنکھیں کھولو اور فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ (جس کا جی چاہے وہ اس راستہ یعنی راہ حق پر گامزن ہو جائے) جو اس کے پروردگار کی رضا، خوشنودی اور معرفت و قرب کی طرف لے جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی حسّی بُعد (دوری) تو ہے نہیں تاکہ کسی راستے پر چل کر یا سفر کر کے اس کا قرب و وصال حاصل کیا جائے وہ تو اپنے بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان جو بعد، دوری ہے وہ ''غفلت'' کی دوری ہے۔ وہ لاپرواہی ہے۔ اس غفلت، لاپرواہی کو دور کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہر وقت اس کو یاد کیا جائے۔

ع ''ہتھ کار ول، دل یار ول''

اس کی یاد کو من میں بسایا جائے۔ ذکر الٰہی کو اپنا معمول بنایا جائے۔ ذکر الٰہی سے ہی غفلت کا خاتمہ ہوتا ہے اسی ذکر الٰہی سے ہی بندے کو قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ بندے کو اللہ کی محبت اور عشق نصیب ہوتا ہے اور اسی محبت و عشق کے فیض سے اللہ کی عظمت اور کبریائی کے نورانی پردے اٹھتے ہیں

اور وہ خوش نصیب بندہ فنا فی اللہ کی منزل طے کرتا ہوا بقا باللہ کی منزل پا کر حیات جاوداں پا لیتا ہے پھر اس بندے کا ذکرِ خیر تا قیام قیامت مخلوق خدا کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ اس کی قبر مبارک آنے والے زمانوں میں انسانوں کے لئے روشنی و ہدایت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

(یہ اللہ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے اسے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے)

درس حدیث!

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے سے محبت کرنے کا اعلان

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیلؑ کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے۔ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں۔ تم بھی اس سے محبت کرو۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: پھر جبرائیلؑ بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جبرائیلؑ آسمان پر ندا کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے پس تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اس کے لیے (اہل) زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو (اس کی نافرمانی کی وجہ سے) ناپسند فرماتا ہے تو جبرائیلؑ کو بلا کر فرماتا ہے: میں فلاح شخص کو ناپسند کرتا ہوں تم بھی اسے ناپسند کرو۔ سو جبرائیلؑ بھی اسے ناپسند کرتے ہیں۔ (روایت مسلمؒ واحمدؒ)

(روضۃ السالکین فی مناقب اولیاء الصالحین)

دوسری روایت میں یہ ایمان افروز حدیث پاک ہے جسے امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں لکھا ہے۔

حضرت ثوبانؓ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بے شک بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتا ہے اور ہمیشہ اس حالتِ طلب میں رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جبرائیلؑ کو فرماتا ہے: بے شک میرا فلاں بندہ مجھے راضی کرنے کا خواہشمند ہے۔ سنو! بے شک میری رحمت اس بندے پر ہے۔ پس جبرائیلؑ کہتے ہیں: فلاح بندے پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ اور ایسا ہی عرش کو اٹھانے والے فرشتے اور جو ان کے اردگرد فرشتے ہیں وہ کہتے ہیں (کہ فلاح بندے پر اللہ کی رحمت ہے) یہاں تک کہ ساتویں آسمان کے رہنے والے (بھی) اسی طرح کہتے ہیں۔ پھر وہ زمین کی طرف

آتے ہیں (اور زمین میں بھی اس کا اعلان کرتے ہیں)

شرح: راقم الحروف اپنے روحانی وجدان کی بنا پر عرض کرتا ہے کہ یہ حدیث پاک اس بات کا اعلان ہے کہ دنیا میں کچھ ایسے ''خاص بندے'' ہوتے ہیں جنہیں اللہ پاک کی محبت عطا ہوتی ہے۔ اور جب وہ بندۂ خاص منتخب کر لیا جاتا ہے تو پہلے سے موجود اولیائے کاملین کو بھی اطلاع دے دی جاتی ہے اور جسے جس ولی کامل سے روحانی فیض عطا کرنا ہوتا ہے اسے اس ولی کامل کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔ اور جب وہ خوش بخت بندہ اس ولی کامل کے پاس حاضر ہوتا ہے تو ہاتھوں ہاتھ لے لیا جاتا ہے اور اس خدا کے منتخب بندے کو پہلے روز ہی روحانی فیوض و برکات سے نواز دیا جاتا ہے۔ یہ سب وہبی طور پر عطا کیا جاتا ہے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ○ (الشوریٰ۔۱۳)

1- اللہ اپنے قرب کے لئے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اسے جو رجوع کرے۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

2- اللہ تعالیٰ جسے (خود) چاہتا ہے اپنے حضور میں (قرب خاص کے لیے) منتخب فرما لیتا ہے اور اپنی طرف (آنے کی) راہ دکھاتا ہے (ہر) اس شخص کو جو (اللہ کی طرف) قلبی رجوع کرتا ہے۔ (عرفان القرآن)۔

☆☆☆☆☆☆

نعت شریف

حقیقت میں وہ لُطفِ زندگی پایا نہیں کرتے

حقیقت میں وہ لطف زندگی پایا نہیں کرتے
جو یادِ مصطفیٰ ﷺ سے دل کو بہلایا نہیں کرتے

زباں پر شکوۂ رنج و الم لایا نہیں کرتے
نبی کے نام لیوا غم سے گھبرایا نہیں کرتے

یہ دربار محمد ﷺ ہے یہاں ملتا ہے بن مانگے
ارے ناداں یہاں دامن کو پھیلایا نہیں کرتے

ارے اوہ نا سمجھ قربان ہو جا ان کے روضے پر
یہ لمحے زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

یہ دربار رسالتؐ ہے یہاں اپنوں کا کیا کہنا
یہاں سے ہاتھ خالی غیر بھی جایا نہیں کرتے

جو اُنؐ کے دامن رحمت سے وابستہ ہیں اے حامدؔ
کسی کے سامنے وہ ہاتھ پھیلایا نہیں کرتے

☆☆☆☆☆

کشف العرفان کا معنی

کشف: کشف کا معنی کسی چیز کے ظاہری اور باطنی، ہر پہلو سے آشنائی رکھنا، کسی مشکل سے مشکل مسئلے کو احسن طریقے سے حل کرنے کی تدبیر نکالنا، کسی کے اندر کے خیالات و جذبات کو بغیر پوچھے جان لینا، عمومی طور پر کشف کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اس کی کئی اقسام ہیں جن میں مندرجہ ذیل خاص خاص ہیں۔

ا۔کشف القلوب	۲۔کشف الورید	۳۔کشف القبور	۴۔کشف الاحیاء
۵۔کشف الجدید	۶۔کشف الحدید	۷۔کشف الورید	۸۔کشف الارواح

عارفین کاملین کا ارشاد ہے کہ ذکرالٰہی سے ایک ''نور'' پیدا ہوتا ہے جس سے حقائق اشیاء منکشف ہو جاتی ہیں اور غلط وصحیح میں بین فرق محسوس ہونے لگتا ہے۔ صوفیائے عظام کی اصطلاح میں اسے ''کشف'' کہتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

اتقو افراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله

(مومن کی فراست سے ڈرا کرو، وہ تو اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)

(تفسیر ضیاء القرآن۔جلد دوم، صفحہ 144)

عرفان کا معنی

عرفان کے معنی لغات میں شناخت، پہچان، حق تعالیٰ کی معرفت، خدا شناسی اور لفظ ''معرفت'' کے معنوں میں بھی لکھا گیا ہے۔ شناخت، پہچان، علم الٰہی، قانون قدرت یا فطری اشیاء کی واقفیت، خدا شناسی، ذریعہ، سبب، وسیلہ وغیرہ۔ موضوع کے اعتبار سے ہم لفظ عرفان صرف ''عرفان الٰہی'' کے حوالے ہی سے استعمال کریں گے۔ لیکن یاد رکھنے کی اہم ترین بات تو یہ ہے کہ خدا شناسی اس

وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک حامد کو محمود سے آگاہی نہ ہو۔

محمود...... اللہ تعالیٰ ...... چونکہ احدیت ذات ہے۔ لہٰذا انسان کا کوئی بیان بھی جامع اور اکمل نہیں ہوسکتا۔ انبیاء ومرسلین علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء المرسلین حضرت محمد ﷺ وعلمائے ربانین نے الہامی تعلیمات والقائی توضیحات کے موافق اپنے اپنے اسلوب اور انداز بیان میں ''عارفانہ کلام'' پیش فرمائے ہیں۔ یہی لفظ عرفان ذات، عرفان نفس انسانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ......

بندہ ناچیز، جسے نہ ظاہر کا خاص علم ہے اور نہ باطن کی خبر، کس باغ کی مولی؟
بس اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم پر انحصار ہے۔

مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

(ماہنامہ کشف الاحسان۔ اسلام آباد)

بابت ماہِ جولائی 2010ء

☆☆☆☆☆☆

تصوف کا سرچشمہ قرآن حکیم ہے

تصوف اسلام کی روح ہے۔ اسلام کا حسن و جمال ہے، اسلام کا کمال ہے۔

☆ **وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًاo** (المزمل:۸)

اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔

☆ **قَدْ اَفْلَحَ مَنْ ذَكّٰهَاo** (الشمس:۹)

تحقیق فلاح پائی اس نے جس نے تزکیہ نفس کیا۔

☆ **فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِo** (الانعام:۱۲۵)

(پس جبکہ ارادہ فرماتا ہے اللہ کہ ہدایت فرمائے کسی کو تو شرح صدر عطا فرماتا ہے یعنی کشادہ فرما دیتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے)

☆ **اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖo** (الزمر:۲۲)

(پس جس شخص کا سینہ کشادہ کیا ہے اللہ نے واسطے اسلام کے پس وہ ہوتا ہے اوپر نور کی طرف پروردگار اپنے سے)۔

حضور اقدس و اکمل ﷺ نے فرمایا کہ جب نور سینہ میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے (یعنی روح منور ہو جاتی ہے) جب اس کیفیت کی شناخت کے بارے میں آپ ﷺ سے ظاہر نشانیاں پوچھی گئیں تو آپ نے فرمایا کہ نشانیاں یہ ہیں کہ دار الغرور یعنی دنیا سے دل ہٹتا ہے اور آخرت کی جانب رجوع ہوتا ہے اور ایسا شخص موت کے آنے سے پہلے مرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

حضور اقدس و اکمل و اجمل ﷺ سے یہ حدیث مروی ہے کہ

''جس وقت دیکھو تم بندہ کو کہ دیا جاتا ہے بے رغبتی دنیا میں اور کم گوئی، پس نزدیکی ڈھونڈو اس سے اس لیے کہ تحقیق وہ سکھایا جاتا ہے حکمت''۔

(بیہقی فی شعب الایمان)

قرآن کریم اور تعلیم تصوف

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔

''اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں قرآن اور سنت''

مفسرین کرام فرماتے ہیں ''**یزکیھم**'' سے مراد دلوں کی صفائی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی مشہور زمانہ تفسیر ''مظہری'' میں فرماتے ہیں۔ ''**ویزکیھم**'' سے مراد دلوں کو پاک کرنا ہے۔ یعنی ان کے دلوں کو غلط عقائد اور اللہ رب العزت کے سوا دوسرے کے ساتھ لو لگانے سے پاک کرنا ہے۔ نفس انسانی کو رذیل خصائل سے طاہر بنانا ہے اور اجسام کو نجاستوں، گندگیوں اور برے اعمال سے صاف کرنا ہے۔''

صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ ''**یزکیھم**'' سے مراد اپنے تصرفات روحانی سے دلوں کے آئینوں کو جلا دے اور روشن کرے تاکہ حقائق و معارف ان میں جلوہ نما ہو سکیں۔''

قرآن کریم نے تزکیہ نفس کو قرب الٰہی کا ذریعہ بتایا ہے تاکہ طالب حق ذکر و فکر کے ذریعے طہارتِ قلبی سے اپنی حقیقت و معرفت کی شمع روشن کرے اور اس کے اندر ایقان و عرفان کے چراغ روشن ہوں اور اس کا دل تجلیاتِ الٰہی کا مرکز بن جائے۔

تصوف کے ارکان

تصوف چار ارکان پر مشتمل ہے یعنی:

۱۔شریعت ۲۔طریقت ۳۔معرفت ۴۔حقیقت

شریعت بمنزل نسخہ ہے۔ طریقت نسخہ پر عمل کرنے کا نام ہے اور معرفت اس روشنی سے نظر آتی ہے کہ اس سے ظاہر ہے کہ شریعت تصوف کی بنیاد ہے اور یہی تمام صوفیائے کرام کا عقیدہ اور عمل رہا ہے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے شرح مثنوی مولانا رومؒ کے آغاز میں تصوف و حقیقت کے متعلق یہ

حدیث نقل کی ہے الشریعة أقوالیِ والطریقة أفعالیِ و المعرفة أحوالیِ والحقیقة سریِ۔

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ شریعت میرے اقوال کا نام ہے اور طریقت میرے اعمال کا نام ہے اور معرفت میرے احوال یعنی کیفیاتِ روحانی کا نام ہے اور حقیقت میرے اسرار و رموز کا نام ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ تصوف اور شریعت میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ تصوف کہو یا طریقت یہ شریعت کی جان ہے اور اسلام کی روح ہے۔ روحانیت کے بغیر اسلام ایک خالی ڈھانچہ اور مردہ جسم ہے اسلام اپنی روحانیت کی بدولت قلیل مدت میں دوسرے مذاہب پر غالب آگیا اور بڑی بڑی سلطنتیں اس کے سامنے دب گئیں۔ آج ہمارے زوال کی اصلی وجہ یہی ہے کہ علم ظاہر تو بہت ہے لیکن علم روحانیت کی بہت کمی ہے جب تک علم روحانیت کو از سر نو دنیا میں نہیں پھیلایا جائے گا تاریکی، جہل، گمراہی اور بد امنی کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ (اسرار گوہر)

برکاتِ تصوف کے حصول کا ذریعہ

اس منزل کا راستہ (یعنی راہ سلوک کی ابتدا) یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے۔ (نفس کی) صفاتِ مذمومہ کو مٹائے۔ تمام تعلقات کو توڑ ڈالے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جب یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کا متولی بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (احیاء العلوم)

تصوف کا سرچشمہ قرآن حکیم اور سنت رسول کریم ﷺ ہے

تصوف ایک مستقل نظریہ اسلام ہے۔ جس کا سرچشمہ صرف قرآن حکیم اور سنت رسول کریم ﷺ ہے۔

(پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ، مقالات۔ جلد اوّل)

روح تصوف

تصوف وہ نظام ہے جو انسان کی صرف جسمانی تربیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی روحانی بالیدگی پر اپنی ساری مساعی کو وقف کر دیتا ہے۔ اس کے مکتب کے طالب علم (راہ طریقت کے راہی) جب نماز ادا کرتے ہیں تو صرف ان کی زبان ہی تسبیح و تہلیل نہیں کرتی۔ ان کے ظاہری اعضا ہی قیام اور رکوع و سجود میں مصروف نظر نہیں آتے، بلکہ ان کا دل، ان کی روح، ان کے جسم کا رواں رواں ذکر الٰہی سے سرشار ہوتا ہے۔ ان میں تواضع، انکسار، بردباری، تحمل، ایثار، عفو و درگزر، محبت و مودّت کے وہ مکارم اخلاق رونما ہوتے ہیں کہ دنیا ان کے نورانی چہرہ کی زیارت کر کے ان کا دین قبول کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اسلام میں تصوف کا وہی مقام ہے جو روح کا جسم میں، خوشبو کا پھول کی پتی میں اور روشنی کا مہتاب میں ہے۔ (پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ (مقالات، جلد اوّل)

فیضانِ تصوف

تصوف کی تعریف یہ ہے کہ اس علم کے ذریعے ان غیبی طاقتوں اور چیزوں کی معرفت (یعنی پہچان) حاصل ہوتی ہے جن پر ایمان بالغیب رکھنا، تمام آسمانی مذاہب کی اساس و بنیاد ہے۔ مثلاً اللہ، روح، فرشتے، جنت، دوزخ، الہامی کتابیں قیامت اور حیات بعد الموت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے فرشتوں اور جنت، دوزخ وغیرہ کی ماہیت اور حقیقت نہ تو حواس ظاہر سے متعلق معلوم ہو سکتی ہے، نہ عقل سے اچھی طرح اور یقینی طور پر سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کے ذریعے ایسے طریقے بتائے ہیں جن پر عمل کرنے سے ان تمام مندرجہ بالا قوتوں اور چیزوں کا علم و عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔ اس تمام علم کو مجموعی طور پر تصوف کہتے ہیں۔ طریقوں اور قاعدوں پر عمل کرنا سلوک کہلاتا ہے۔

جب تک مشاہدہ کی منزل حاصل نہ ہو
روحانی و حقیقی مقصود حیات حاصل نہ ہو گا (تعمیر ملت)

تصوف کی ایمان افروز تشریح

تصوف وہ علم ہے جس سے انسان کے نفس (ذات) کی بہت اچھی طہارت ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں اخلاقی پاکیزگی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان کے باطن کی تعمیر و اصلاح ہو جاتی ہے، تصوف، انسان کو برے اخلاق، خبیث صفات، نفسانی خواہشات اور برے خیالات سے نجات دلاتا ہے۔ یہ اچھے اخلاق اور پاکیزہ اوصاف پیدا کرنے کا وسیلہ ہے۔ اسی علم کے ذریعے انسان اپنی حقیقت کو پالیتا ہے اور دنیا کی ہوس سے منہ موڑ کر ہر طرف حق ہی حق کو دیکھتا ہے۔

تصوف...... سخاوت، درویشی، فقر، صبر، ریاضت، عبادت، اور سیاحت، رضائے الٰہی تلاش کرنے کا نام ہے۔ بالالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اپنی ذات کی نفی کرنے کا نام تصوف ہے۔ مگر یہاں ایک بات بے حد اہمیت رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ خدمتِ خلقِ خدا ایک انسان تب ہی کر سکتا ہے جب وہ اپنی ذات کی نفی کر دے اور دوسرے لوگوں کو ہر حالت میں اپنے سے بہتر اور افضل سمجھے۔ اس علم کی بدولت انسان دنیا کی بے ثباتی کو دیکھتے ہوئے ہر لمحہ رب کے ذکر اور فکر میں گزارتا ہے اور آخر کار حقیقت ازلی و ابدی کو تلاش کر لیتا ہے۔ (سوانح نوشہ گنج بخشؒ۔ احوال و آثار، ص ۳۰۱)

تصوف کو شریعت سے وہی تعلق ہے جو جان کو جسم سے!

تصوف اسلام کا ایک نہایت ضروری جز ہے۔ اسلام مجموعہ ہے ظاہری اور باطنی خوبیوں کا۔ چونکہ تصوف بیشتر اسلام کی باطنی خوبیوں سے متعلق ہے۔ تصوف کو شریعت سے وہی تعلق ہے جو جان کو جسم سے۔ جن لوگوں نے تصوف سے ابتداً گریز کیا۔ وہ سمجھ میں پختگی آنے کے بعد اور کثرت عبادت سے صفائے قلب ہونے کے بعد اس کے گرویدہ ہو گئے۔ (حضرت شاہ سید محمد ذوقیؒ)

تصوف...... مشاہدہ کا نام ہے

تصوف...... صفاء یعنی تزکیہ (نفس) اور مشاہدہ کا نام ہے۔ (ابوبکر الکتانی)

تصوف کیا ہے؟

جن لوگوں کی کتاب وسنت پر کچھ نظر ہے وہ اس بات سے ناواقف نہیں ہو سکتے کہ حضور اقدس ﷺ نے جس طرح ایمانیات و اعتقادات اور عبادات اور آدابِ معاشرت و معاملات کے ابواب میں اپنی تعلیم وہدایت اور عملی نمونہ سے امت کی رہنمائی فرمائی ہے اسی طرح آپ نے اللہ تعالیٰ کی محبت وخشیت، یقین وتوکل، احسان واخلاق جیسی روحانی وقلبی صفات وکیفیات اور تزکیہ اخلاق کے متعلق بھی اہم ہدایات دی ہیں اور ان کا نہایت اعلیٰ اور مثالی نمونہ امت کیلئے چھوڑا ہے۔ الغرض ایمان اور اعمال صالحہ کی طرح یہ بھی دین اسلام کا ایک مستقل اور اہم شعبہ ہے اور یہی تصوف وسلوک کا خاص موضوع ہے۔

پس سلوک وتصوف کی اصل غرض وغایت اور صوفیائے کرام کی مساعی کا اصل نصب العین دراصل دین کا یہی شعبہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت وخشیت اور اخلاص واحسان اور زہد وتوکل جیسی روحانی وقلبی صفات وکیفیات کی تحصیل اور اخلاق کا تزکیہ لیکن چونکہ یہ چیزیں صرف کتابی مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتیں بلکہ ان کا صحیح ادراک بھی نہیں ہوتا اور اس دولت کے کسی وارث اور حامل (یعنی شیخ کامل) کی صحبت وخدمت میں رہ کر مشاہدہ آثار واحوال ہی کی راہ سے ان کی کچھ معرفت ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے لوگ اس شعبہ سے اکثر محروم اور اس کی معرفت سے بھی قاصر رہتے ہیں جن کو کسی ایسے بندہ کی صحبت ورفاقت کی توفیق نہ ملی جو اس دولت کا حامل ہو۔ (تصوف کیا ہے؟)

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اور حقیقتِ تصوف

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "**المنقذمن الضلال**" جس کا اردو ترجمہ "تلاش حق" کے عنوان سے بھی شائع ہے۔ آپ نے حقیقت تصوف پر تحریر فرمایا:

دین اسلام کے دو رخ اور دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی و روحانی ہے۔ ظاہری

رخ اور پہلو شریعت ظاہرہ کے نام سے موسوم ہے جسے علماء اور فقہا نے اپنایا ہے اور دوسرا باطنی رخ کو فقر وتصوف اور طریقت کا نام دیا گیا ہے۔ علم تصوف اور فقر کی تعلیمات کا مقصد اسلام کے روحانی اور باطنی رخ کو ثابت کرنا اور اس کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ کائنات کی ہر شے ظاہری اور باطنی پہلوؤں میں بٹی ہوئی ہے۔ ہر چیز کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ خود ہمارا وجود روح اور جسم میں منقسم ہے۔ جسم ظاہر ہے اور روح باطنی۔ اصل شے روح ہے اور اسی پر جسم کی زندگی کا دارومدار ہے۔ (بلکہ روح اپنا ''جسم مثالی'' رکھتی ہے جو مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ راقم الحروف) تمام کائناتی حقائق باطن میں پوشیدہ اور مخفی ہیں۔ اس طرح اسلام میں شریعت گویا جسم ہے اور تصوف وفقر اس کی روح ہے اور یہی اصل حقیقت اور صداقت کا سرچشمہ ہے...... جب تک اسلام کا باطنی اور روحانی پہلو ثابت نہ ہو جائے۔ اسلام مکمل طور پر سامنے نہیں آتا اور اس کی حقیقت پورے طور پر منکشف نہیں ہوتی اور جب تک رسول ﷺ کی باطنی اور روحانی زندگی کو نہ اپنایا جائے مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان اور حقیقی معنوں میں مومن نہیں بن سکتا۔

''مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے'' (اسلام اور روحانیت اور فکر اقبالؒ)

اسلام اور تصوف کا تعلق

تصوف کو قرآنی اصطلاح میں تزکیہ نفس اور حدیث کی اصطلاح میں ''احسان'' کہتے ہیں۔

تصوف کے اجزائے ترکیبی عہد رسالت مآب ﷺ اور دور صحابہ میں عملاً موجود تھے کیونکہ اسلام کیفیات اور روحانی اقدار و اطوار کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ دین اسلام کی علمی، فکری، عملی، معاشرتی اور تہذیبی و عمرانی وغیرہم تمام جہتوں میں ''اخلاص واحسان'' کا رنگ دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ انسان کے جسم و روح اور اس کے وجود کی تمام پرتوں پر جاری وساری ہے۔ تصوف کی تمام تر اصطلاحات قرآن وحدیث سے ماخوذ ومستنبط ہیں۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

(عقائد میں احتیاط کے تقاضے)

روحانیت کیا ہے؟

روحانیت قال سے نہیں حال سے عبارت ہے۔ یہ علمی نظریہ کا نام نہیں بلکہ عملی تجربے کی چیز ہے اور یہ تجربہ بھی مادی نہیں سراسر باطنی ہے۔ روحانیت عقل وخرد اور دید وشنید سے حاصل ہونے والی چیز نہیں۔ یہ احساس، وجدان اور قلب و باطن کی راہ سے نصیب ہوتی ہے۔ یہ خارج سے نہیں، باطن سے پھوٹتی ہے۔ یہ تقریر وابلاغ کے حسی و مادی تاروں سے نہیں، گرمی انفاس کی پاکیزہ موجوں سے پھیلتی ہے۔ یہ الفاظ کے قالب میں نہیں سماتی بلکہ احساس کی گہرائیوں میں اترتی ہے۔ روحانیت کہنے سننے کی چیز نہیں، سیکھنے اور برتنے کی چیز ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ جو انسان طریق سلوک وتصوف پالیتا ہے وہ شکوک وشبہات سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔ یہ تزکیہ نفس، تصفیہ باطن اور پاکیزگی نفس کا الوہی منہاج اور وصول الی اللہ کا باطنی و پوشیدہ راستہ ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

(عقائد میں احتیاط کے تقاضے)

شریعت وطریقت کا باہمی ربط وتعلق

راہِ طریقت کا حصول ہماری اس کتاب کا موضوع ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ دین اسلام میں اصل شریعت ہے۔ اور اس کی فرع طریقت ہے۔ شریعت سرچشمہ ومنبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا ہے۔ طریقت کو شریعت سے جدا تصور کرنا غلط ہے۔ شریعت پر طریقت کا دارومدار ہے۔ شریعت ہی معیار ہے۔ طریقت میں جو (روحانی) فیض اور جو کچھ منکشف ومکشوف ہوتا ہے (یعنی انوار وتجلیات) وہ شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے۔ پس جو شخص طریقت، معرفت، حقیقت، سنت، مصطفیٰ ﷺ اور شریعت مطہرہ کو جھٹلائے، مخالفت کرے اور رد کرے وہ بے دین ہے۔ اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس طریقت میں شریعت کا پاس ولحاظ نہ ہو وہ بے دینی ہے اور جس شریعت کے ساتھ طریقت ومعرفت نہ ہو وہ بھی ناقص اور ادھوری ہے۔ ظاہری اعمال کے ساتھ باطنی

پاکیزگی کا حسین امتزاج ہی ہمارا نکتہ امتیاز ہے۔ اصلاح باطن کے لئے بیعت کرنا مسنون ہے۔ شیخ کامل کی معاونت اور رہنمائی سے نفس وشیطان کے خطرناک حملوں کا مؤثر دفاع اور عبادت و ریاضت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قربت و محبت کا حصول ممکن ہوتا ہے۔

(شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

تصوف بحیثیت تزکیہ نفس

اسلامی معاشرے کا ہر فرد انفرادی طور پر تصوف کا محتاج ہے۔ یہ امر مُسلَّم ہے کہ اسلامی معاشرے کا وجود و بقا ایسے افراد پر منحصر ہے جو اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن ہوں۔ ایسے مطلوبہ افراد صرف اسی صورت میں میسر آسکتے ہیں اگر انسانی شعور، انحراف کے تمام میلانات سے پاک و منزّہ ہو۔ جب تک نفس انسانی کا تزکیہ نہ ہو انحرافِ شعور اور اختلالِ سیرت و کردار کے رفع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ **غیر مزکّی** نفس انسان کو ہمیشہ بداعمالیوں پر اکساتا ہے۔ ہدایتِ ربانی خود اس امر کا فیصلہ کرتی ہے۔ **اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌ** "**بِالسُّوۡٓءِ**" (یوسف:۵۳) بے شک نفس برائی کا حکم دینے والا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نفس کے میلانِ انحراف اور رجحان تمرّد سے نجات و فلاح کیونکر حاصل ہو۔ قرآن حکیم اس بارے وضاحت و صراحت سے حکم دیتا ہے۔ **قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰھَا ۝ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰھَا ۝** (الشمس:۹،۱۰) گویا جس کسی نے بھی نفس کا تزکیہ کر لیا وہ فلاح پا گیا۔ چنانچہ انسان کو اعمال و کردار کے اعتبار سے مزکّی ہونے کے لیے اپنے نفس کا تزکیہ درکار ہے۔ اور اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ درحقیقت تصوف اسی تزکیہ نفس کا دوسرا نام ہے اس لیے یہ دعویٰ مبنی برحق ہے کہ اسلامی معاشرہ اپنے وجود، بقا، اور ترقی کے لئے تصوف کا محتاج ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

(حقیقت تصوف)

تصوف کے بارے میں گذشتہ تمام تر بحث کا ماحصل یہ ہے کہ:

تصوف سر بہ سر اسلام کے بطن سے پھوٹنے والا سرچشمہ ہے اور اس کا ماخذ قرآن وسنت کے سوا کچھ نہیں۔ شجرِ اسلام کی آبیاری تصوف کے چشمہءِ آبِ حیات سے ہی ممکن ہے اور اگر تصوف کے سوتے خشک ہو گئے تو شجرِ اسلام کی قوتِ نمو شل ہو جائے گی اور وہ برگ و بار پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جائے گا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اپنے خطاب ''تعلیماتِ تصوف اور اصلاحِ احوال'' میں اپنا دردِ دل یوں بیان فرماتے ہیں:

''ہمیں کسی سے غرض نہیں ہے، ہمیں تو غرض ان سے ہے جو دین کے راہ کے سالک ہیں، اس لئے کہ وہ سنور گئے تو پوری امت سنور جائے گی کیونکہ (انسان کو) علم نہیں بلکہ فقر سنوارتا ہے۔ علم ہدایت نہیں دیتا، صحبت سے ہدایت ملتی ہے۔ پس حق انہی علماء کے پاس ہے جو اہلِ فقر، اہلِ سلوک اور اہلِ تصوف ہیں۔ جو تصوف و سلوک سے دور ہیں وہ علم کے سمندر پی جائیں ان کے پاس نہ حق ہے اور نہ ہدایت ہے۔ ایسا علم تکبر، رعونت اور گمراہی لائے گا''۔

ماہنامہ منہاج القرآن۔ لاہور

(شمارہ ماہ اگست 2010)

☆☆☆☆☆☆

صاحبانِ عرفان کے نزدیک تصوف کے کلمات

ت ،ص ،و ،ف ، کے معنی

1- ت ۔۔ سے توبہ مراد ہے۔ یہ دو قسم پر مشتمل ہے۔

توبہ ظاہر اور توبہ باطن

توبہ ظاہر یہ ہے کہ اپنے تمام اعضائے جسمانیہ کو ہر قسم کے گناہوں اور برائیوں سے محفوظ رکھے اور احکام شریعہ پر عمل پیرا رہے۔ شریعت کے حکم کے خلاف نہ کرے۔ اس کے ہر حکم کو بجالائے۔ اگر خلافِ شرع کوئی بات سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرے۔ باطنی توبہ یہ ہے کہ انسان دلی وقلبی کدورتوں کو نکال کر باہر کرے اور ہر قسم کی آرائش سے دل کو صاف اور شفاف رکھے اور شریعت کے احکام پر خلوص سے عمل پر مستعد رہے۔ یہاں تک کہ سیئات، حسنات میں تبدیل ہو جائیں تو پھر "ت" کی تمام منازل مکمل ہوں گی گویا کہ توبہ کو قبولیت کی سند عطا ہو جائے گی۔

2- ص ۔۔ صفائی سے عبارت ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ قلب کی صفائی، مقام سرّ کی صفائی۔ قلب کی صفائی یہ ہے کہ اسے بشری کمزوریوں، کدورتوں اور آلائشوں سے پاک، صاف کرے جو عام طور پر دل میں موجود ہوتی ہیں۔ مقامِ سرّ کی صفائی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے اعراض کرنے اور اسی کی محبت و اسمائے حسنیٰ کا زبان سرّ سے دائمی وظیفہ بنانے سے حاصل ہے۔ پس انسان جب اس مقام پر کلّی طور پر فائز ہو جاتا ہے تو کلمہ "ص" کی منزل مکمل ہو جاتی ہے۔

3- حرف "واؤ" ۔۔ سے ولایت مراد ہے یہ بھی ایک مرتبہ ہے جو تصفیہ قلب کے بعد نصیب ہوتا ہے۔

4- کلمہ "ف" ۔۔ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں فنا ہونا ہے۔ جب بشری اوصاف فنا

ہوں گے تو اوصاف خداوندی جنہیں بقا و دوام حاصل ہے وہی نظر آئیں گے اس لئے کہ وہ ذات اقدس حی و قیوم ہے۔ اسے فنا اور زوال سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا عبد فانی کو اس ذاتِ باقی کے ساتھ اس کی محبوبیت و پسندیدگی کے باعث باقی باللہ کا رتبہ نصیب ہو جاتا ہے۔ اور قلبِ فانی کو سِرّ باقی کی معیت میں بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ: (ہر شے فانی فقط ایک باقی)

جب بندہ مکمل طور پر فنا کی منزل پا لیتا ہے تو اسے عالمِ قرب میں بقاء کی نعمت عطا ہو جاتی ہے۔ جب فقر کامل ہو جاتا ہے تو پھر صاحبِ تصوف کو بقا باللہ کا مرتبہ نصیب ہو جاتا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ:۸۲)۔

جنتی ہمیشہ اسی میں رہیں گے مزید فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (البقرہ:۱۳۵)

بے شک صابر معیت الٰہیہ میں ہیں۔

(تلخیص/سر الاسرار)

تصوف اور فقر کا باہمی امتزاج

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے امام مالکؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام میں فقہ کا علم حاصل کئے بغیر تصوف حاصل کرنے والا زندیق ہے اور علم تصوف حاصل کیے بغیر فقہ کا علم حاصل کرنے والا فاسق ہے۔ آپ نے فرمایا جس نے فقہ اور تصوف دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہے۔ آپ کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کا (حقیقی) تصور بغیر روحانیت قطعاً ناممکن ہے۔

(۱) (اسلام اور روحانیت اور فکر اقبال ص۷۶)

(۲) (سِرّ دلبراں۔ص۱۶)

فقہ وتصوف لازم وملزوم ہیں بلکہ

فقہ وتصوف کا چولی دامن کا ساتھ ہے

امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

من تفقة ولم يتصوف قد تفسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد تذندق ومن جمع بينهما فقد تحقق ۔

جو فقہ میں ماہر ہوا اور تصوف سے نابلد رہا۔ یقیناً فاسق ہوا اور جو تصوف میں ڈوب گیا اور فقہ سے بے بہرہ رہا وہ زندیق ہو گیا اور جس نے فقہ وتصوف دونوں کو اپنے اندر جمع کر لیا وہ حقیقت کو پا گیا۔ (گلشن فقہ وتصوف)

شیخ المحدثین برکتِ مصطفیٰ فی الہند شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مبارک تصوف بغیر فقہ کے نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ظاہر احکام فقہ ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور فقہ بغیر تصوف کے نہیں ہے۔ کیونکہ عمل بغیر سچی توبہ کے نہیں ہو سکتا۔ عمل اور سچی توبہ ایمان کے بغیر نہیں پائے جاتے کیونکہ ایمان کے بغیر ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں پایا جاتا۔ ان تینوں امور (ایمان۔ عمل اور صدق توبہ) کا جمع ہونا ضروری ہے۔ ان کا باہمی تعلق وہی ہے جو جسم و جان میں ہے۔ پس فقہ مقام اسلام ہے اور علم عقائد کے اصول۔ مقام ایمان اور تصوف مقامِ احسان ہے، جس کی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں کی ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے کلی نہیں دیکھ رہے تو یقیناً وہ تمہیں دیکھ رہا ہے لہٰذا تصوف دین کا ایک جزو ہے۔

(گلشنِ فقہ وتصوف)

☆☆☆☆☆☆

اصطلاحات کی شرح اور ضرورت

انسانی زندگی کے ہر فن، ہر شعبہ میں کلام کرنے والے اپنے لیے جداگانہ اصطلاحات کا سہارا لیتے ہیں۔ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جو اصطلاحات سے مبرّا ہو۔ علم طب، قانون، فلسفہ، منطق، غرضیکہ جملہ علوم اصطلاحات کے محتاج ہوئے۔ حدیث، فقہ، علم کلام بھی اصطلاحات سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی شان میں اپنے اظہار کے لیے ید، ساق، قدم، استوا، ضحک، وجہ، حیاء، غضب، لطف وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں جو سب مصطلحات ہیں اور جنہیں اصطلاحات شریعت میں متشابہات سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان میں ایک ایک اصطلاح کے تحت حقائق و معارف کے لیے بے شمار سمندر موجیں مار رہے ہیں اور قدرت الٰہی اور کمالات بے بہا کی تفسیر اور تشریح کر رہے ہیں۔

تصوف و روحانیت میں اصطلاحات کی ضرورت کہ بیشتر مضامین رموز و کنایات ہی میں ادا کئے جائیں تاکہ نااہلوں سے پوشیدہ رہیں۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر ان امور کو صاف صاف عام گفتگو میں بیان کر دیا جائے تو عوام جو حقیقت تک پہنچنے سے قاصر ہیں وہ ان کا غلط مفہوم سمجھ لیں گے اور کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔

حکمت الٰہیہ یہی ہے کہ خاص رموز و اسرار کے علوم ان ہی پر منکشف ہوں جو ان علوم کی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ علوم عقلی میں کمال و انہماک رکھنے والے کشفِ حقائق سے محروم ہوتے ہیں خواہ دنیاوی طور پر کتنے ہی عقل مند سمجھے جاتے ہیں وہ اصطلاحاتِ تصوف و طریقت و روحانیت کے سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ درحقیقت تصوف علم و عمل کا مجموعہ ہے۔ جب تک عملی میدان میں قدم نہ بڑھایا جائے نہ تصوف سے کچھ ہاتھ آتا ہے اور نہ ہی تصوف کی اصطلاحات سے گوہرِ مقصود تک رسائی ہوتی ہے۔ کیونکہ

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا

طریقت وتصوف میں اسرار و رموز تک پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ یہ صرف اہل عزیمت کا کام ہے۔

مقامِ احسان: حضور اقدس واکمل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احسان کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (متفق علیہ)

(یعنی احسان یہ ہے کہ عبادت کرے تو اللہ کی اس طرح کہ گویا تو اسے دیکھتا ہے۔ پس اگر نہیں دیکھ سکتا تو اس کو تو وہ یقیناً تجھ کو دیکھ رہا ہے)۔

ادراک اور محسوسات: ادراک کا معنیٰ باطنی بصیرت، اور حواس خمسہ ظاہری سے کسی چیز کے معلوم کرنے کو احساس کہتے ہیں۔ ان حواس ظاہری کے مقابل باطن میں حواس باطنی ہیں جو باطنی طور پر روحانی کیفیات اور معانی کا ادراک کرتے ہیں۔ ان باطنی قوتوں کی تہذیب و آشنائی پر ''کشفِ حقائق'' کا انحصار ہے۔

محویت: اسے حضوری بھی کہتے ہیں۔ جس طرح بچوں کو ابتداء میں عموماً میٹھی چیز سے رغبت ہوتی ہے اس طرح سالکین کو ابتداء میں ''ذوق وشوق'' کا فیضان دیا جاتا ہے تاکہ وہ راہ طریقت وسلوک میں آگے بڑھیں۔ ان کا جی لگے اور وہ مزید روحانی مقامات حاصل کریں۔ اسی طرح جب سالک ترقی کرتا ہے تو اس پر باطنی انوارات کی بارش ہوتی ہے اور اسے کشفِ حقائق ہوتے ہیں۔

اسماء صفات: اسم اس لفظ یا عبارت کو کہتے ہیں جس سے حق تعالیٰ کی جانب اشارہ کیا جائے۔ وہ اشارہ باعتبار اس کی ذات کے ہو یا خواہ اعتبار اس کی کسی صفت کے۔

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کی پیروی کرنا۔ یعنی اس کے اسماء وصفات کے انوار سے اپنے باطن کو آراستہ و پیراستہ کر کے بقدر امکانِ بشری قرب الٰہی حاصل کرنا ہے۔

قربِ الٰہی سے کیا مراد ہے؟

انسان مرکب ہے بہیمیت اور ملکوتیت سے۔ ابتداء میں اس پر بہیمیت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس وقت وہ بیشتر اپنے حواس (یعنی احساسات) میں ہی مقید رہتا ہے اور وہ اپنی حس وحرکت سے محسوسات ہی کا قرب تلاش کرنے پر قناعت کرتا ہے، جب وہ بتدریج اس مرتبہ سے ترقی کرتا ہے تو عقل کا نور اس میں چمکتا ہے اور اس نور کا یہ اثر ہوتا ہے کہ بلاحرکت بدنی عالم بالا میں تصرف کرنے لگتا ہے اور ان امور کا ادراک کرنے لگتا ہے جو قُرب وبُعدِ مکانی سے برتر اور ماوریٰ ہیں۔ حرص وہوا، اور شہوت وغضب کے تنگ وتاریک کوچے سے اسے آزادی ملتی ہے۔ عاقبت بینی اور طلبِ کمال کی اس میں رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور فرشتوں کے ساتھ اسے ایک قسم کی مشابہت ہو جاتی ہے۔ جب اس کا نفس خیالات اور محسوسات کو ترک کر کے ان امور کے ادراک سے مانوس ہو جاتا ہے جو حس وخیال سے بالاتر ہیں تو فرشتوں کے ساتھ اس کی مشابہت اور بھی ترقی کرتی ہے۔ ان اوصاف میں وہ جیسی جیسی ترقی کرتا جاتا ہے بہیمیت سے اس کو بُعد ہوتا جاتا ہے اور ملکوتیت سے قرب۔ یہاں تک کہ وہ فرشتگان ملاءِ اعلیٰ کا رفیق بن جاتا ہے اور مقربان بارگاہِ الٰہی کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ قربِ الٰہی سے یہی مراد ہے اور یہ صرف اسماء وصفاتِ الٰہی سے اپنے آپ کو متصف کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

انفس وآفاق: نفسِ انسانی مع اپنے ظاہر وباطن کے انفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے مطالعہ کو سیرِ انفسی کہتے ہیں۔ کائنات میں جو کچھ از قسم ظاہر وباطن ہے آفاق ہے۔ اور اس سے بطریق کشف وشہود آگاہ ہونا سیرِ آفاقی ہے۔

خلیفہ اور نائب: تمام تر قوتوں کا منبع ومخزن اللہ ہے۔ اس لئے فاعلِ حقیقی وہی ہے۔ انسان اس کا خلیفہ اور نائب ہے۔ خلیفہ کا کام ملک میں امن وانتظام قائم رکھنا ہے اور مالک حقیقی کی نیابت کا کام انجام دینا ہے۔

القاء۔ الہام۔ وحی: ہر وہ چیز جو بطریق استدلال حاصل نہ کی گئی ہو بلکہ قلب سالک (روحانیت کا راہی) پر حق تعالیٰ کی جانب سے یقین کامل کے ساتھ وارد ہوئی ہو۔ القاء ہے یا الہام ہے یا وحی ہے۔ ابتدائی حالت کو القاء اور انتہائی حالت کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو الہام ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل ہوتی ہے۔

مراقبہ۔ تفکر۔ حدس: علم کے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری طریقہ تو وہی معمولی طالب علمی کا طریقہ ہے جو بہت عام ہے۔ اور باطنی طریقہ مراقبہ اور تفکر کا ہے۔

مراقبہ اسے کہتے ہیں کہ دل کو دوسرے خیالات سے ہٹا کر ایک ہی خیال پر جما دیا جائے اور اسی خیال کے اندر فکر میں منہمک ہو جائے۔ اور تفکر یہ ہے کہ نفس ان علوم کو جو کہ اپنے سے مخفی ہیں مدت اور حیلہ اور آلہ کے ساتھ تلاش کرے۔ ایک تیسری چیز اور ہے جسے حدس کہتے ہیں۔ تفکر اور حدس میں یہ فرق ہے کہ تفکر میں تو غور و خوض سے اور طبیعت پر زور ڈال کر کوئی بات معلوم کی جاتی ہے اور حدس میں بغیر سوچے سمجھے اور بلا غور و خوض اور بغیر آلہ یا حیلہ کے دفعتاً ایک بات قلب میں القاء ہو جاتی ہے۔ صاحب حدس یک بیک غیب کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے اور یکبارگی علم مطلوبہ اس پر منکشف ہونے لگتا ہے بغیر اس کے عرصہ گزرے اور بغیر اس کے ریاضت میں مشغول ہو۔ حدس بمقابلہ فکر کے نفوس کاملہ؟ سے اقرب ہے۔ حدس سے فراست پیدا ہوتی ہے اور فکر سے کیاست۔ کیاست اس زیرکی و دانائی کو کہتے ہیں جس کا تعلق دماغ سے ہے۔ اور فراست اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہے جس سے مومن (باطنی آنکھ سے) دیکھتا ہے اور فائدہ اٹھاتا ہے۔ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ:

”ڈرو تم مومن کی فراست سے کیونکہ وہ دیکھتا ہے اللہ کے نور سے“۔

یہی فراست ہے جو حدس سے پیدا ہوتی ہے۔ حدس ہی الہام کا زینہ ہے اور نبوت زینہ ہے وحی کا۔ جب نفس انسانی حدس کی قوت سے عالم بالا کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور علوم غیبیہ کے انوار اس پر چمکنا شروع ہوتے ہیں تو ان علوم کا اظہار اس پر رمز کے حجاب اور اخفاء و ابہام کے پردوں کی آڑ میں ہوتا

ہے۔ پھر اگر نفس میں اتنی قوت نہیں کہ حالتِ بیداری میں اس ''ظہور'' کا متحمل ہو سکے تو یہ جلوے اسے خواب میں دکھائے جاتے ہیں اور غیب کے اسرار عالم رویا کی صورتوں، شکلوں اور مثالوں میں متمثل کر کے اس پر منکشف کئے جاتے ہیں۔

القاء اور الہام میں کسب کو کسی قدر دخل ہے مگر وحی میں کسب کو مطلق دخل نہیں۔ ریاضت اور مجاہدہ سے یہ دولت ہاتھ نہیں آتی جس طرح نبوت محنت اور مجاہدہ سے حاصل نہیں ہوتی۔

تجلیاتِ الٰہی: کا معنی ظہور انوار ہے۔ ہر تجلی کے لیے ایک حکم خاص ہے۔ جسے ''شان'' کہتے ہیں۔ **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ه** کے یہی معنی ہیں۔ حق تعالیٰ جب بندے پر متجلی ہوتا ہے تو اس تجلی کا نام حق کے اعتبار سے شانِ الٰہی رکھا جاتا ہے اور بندے (کے فعل) کے اعتبار سے اسے ''حال'' کہتے ہیں اور وہ ہر آن ایک نئی تجلی میں ہوتا ہے۔

تجدیدِ ایمان: راہِ سلوک میں سالک کو اس کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ سالک ظاہری اور اجمالی اسلام پر قناعت نہیں کرتا بلکہ معرفت میں وسعت کا خواہاں رہتا ہے۔ معرفت کی کوئی انتہا نہیں۔ لہٰذا سالک کو چاہئے کہ ایک مقام پر دو ساعت منزل نہ کرے اور ہر ساعت از سرِ نو مسلمان بنے۔ ایمان حقیقی اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے جو جانتے ہیں، سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تمام عالم اعتباری (غیر حقیقی) ہے اور نیست و نابود (ہونے والا) ہے۔ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی موجود اور مستقلاً قائم بالذات ہے۔ اس قسم کا ایمان کشف و شہود ہی کی راہ سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ صرف کتبِ تصوف کے مطالعہ سے۔

☆☆☆☆☆☆

لطافتِ ملکوتی ۔ کثافتِ حیوانی

لطافت ۔ نور ہے:

کثافت ۔ اندھیرا ہے:

انہی سے انسانی جبلّت کی پہچان ہے کہ وہ لطافت ملکوتی رکھتا ہے یا کثافت حیوانی رکھتا ہے۔
لطافت میں روشنی ہے۔ کثافت ہیں جہل کی تاریکی ہے۔

بصارت ۔ بصیرت: آنکھ سے کسی چیز کو دیکھنا بصارت ہے۔ دل سے کسی چیز کو معلوم کرنا بصیرت ہے۔ بصارت سے صرف صور محسوسہ ہی کا احساس ہوسکتا ہے۔ بصیرت دل کی وہ بینائی ہے جو نور قدس سے روشنی پاتی ہے اور جس سے حقائق اشیاء اور ظواہر کے بواطن پر آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

بالغ ۔ نابالغ: سالک کی جب تک یہ حالت نہیں ہوتی کہ اشغال ظاہری اس کے اعمال باطنی کے لئے مانع نہ ہوں اور اعمالِ باطنی اشغال ظاہری کے لیے حجاب نہ رہیں، اسے نابالغ کہتے ہیں۔ جب سالک مقام فنا میں پہنچتا ہے اور سیر الی اللہ اس کی ختم اور سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے اور تصرفات جذبات الوہیت اور کیفیات آثار جذبات کا اپنے میں مشاہدہ کرتا ہے تو وہ صفت جذبہ الٰہی کا مظہر بنتا ہے اور اس صفت سے وہ دوسروں کے باطن میں تصرف کرنے لگتا ہے۔ اس وقت اسے بالغ کہتے ہیں اور اسی وقت اس میں دعوت حق کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے۔

سیر وطیر: سالک کا ایک حال (یعنی کیفیت روحانی) سے دوسرا حال۔ ایک فعل سے دوسرے فعل۔ ایک تجلی سے دوسری تجلی، ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہونا سیر وطیر کہلاتا ہے۔

جب کشف وکرامات کی راہ سے یہ سلوک طے کیا جاتا ہے تو اسے سیر کہتے ہیں اس طور پر راستہ دیر میں طے ہوتا ہے۔ جب بلا کشف وکرامات یہ سلوک طے ہوتا ہے تو اسے طیر کہتے ہیں۔ اس

میں راستہ جلد طے ہوتا ہے اور اسی کو صوفیاء سلوکِ اتم کہتے ہیں۔

بیتِ معمور: وہ جگہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مختص فرما کر زمین سے آسمان کی جانب اٹھالیا۔ مثال اس کی قلب انسانی ہے جو حق سبحانہٗ تعالیٰ کا محل ہے۔ یہ محل رہنے والے سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ یا تو روح قدس اس میں رہتی ہے یا روح ملکوتی یا پھر روح حیوانی (یعنی شیطانی یا نفسانی)۔

بیداری: عالم صحو، ہوشیاری کو کہتے ہیں۔

تلوین، تمکین: تلوین مقام طلب ہے۔ جس میں حالتیں آتی ہیں اور جاتی ہیں اور مختلف حال وارد ہوتے ہیں۔ تمکین مقام رسوخ واستقرار ہے جس میں سالک صاحب مقام ہوتا ہے اور مغلوب الحال نہیں ہو پاتا۔ مقامِ تمکین میں سالک انبیاء علیہم السلام کے کمالاتِ معنوی سے فیض یاب ہوتا ہے۔

صاحبان تلوین و تمکین: صاحب تلوین مبتدیوں میں شامل ہوتے ہیں جو پردہ غیب سے محجوب ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ان پر اسرار ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے ہوش گم ہو جاتے ہیں لیکن صاحبانِ تمکین کو مشاہدہ دوام حاصل ہوتا ہے۔ وہ مقام فنا سے نکل کر ہوش میں ہوتے ہیں اور عقل و دین کے مطابق احکام شرع پر عمل کرتے ہیں اور محویت و مستی کو عقل و دین پر غالب نہیں ہونے دیتے ہیں۔

تدبر و تفکر: تصور عقلی اور توجہ دلی سے مقصود اصلی کی جانب بڑھنا اور مطلوب کو حاصل کرنا۔

تفکر تصرف دِل ہے فہم و ادراک اور دلائل و براہین کے میدان میں اور تدبر تصرف دل ہے اپنے کام کو انجام تک پہنچانے میں۔

تزکیہ: نفس کو ذمائم سے پاک کرنا۔

تصفیہ: قلب کو خیالات ماسوا سے صاف کرنا۔

تجلیہ: روح کو منزہ کرنا۔

تخلیہ: اللہ کے سوا اور کسی چیز کا باقی نہ رہنا۔ سالک کی پہلی منزل تزکیہ ہے۔ پھر تصفیہ، پھر تجلیہ، پھر تخلیہ ہے۔

صوتِ سرمدی: بانگِ جرس وہ گھنٹی کی سی آواز جو سالک کو گوشِ ظاہری بند کرنے کے باوجود بھی سنائی دیتی ہے۔ یہ انکشاف قادریت، عالم بالا کی ایک چیز ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ جاری و ساری رہتی ہے اور باطنی سماعت کے ذریعے سننے میں آتی ہے۔

(نوٹ)۔ راقم الحروف نے ''صوت سرمدی'' پر تفصیل سے مقالہ الگ شائع کیا ہے۔

جمع: حق تعالیٰ میں اس قدر محو ہو جانا کہ کسی اور کی خبر نہ رہے۔ جمع ضد ہے فرق کی۔ فرق کہتے ہیں حق سے محجوب ہونے کو بوجہ خلق کے۔

جمع الجمع: اس حقیقت کا انکشاف کہ خلق حق سے قائم ہے۔ سالک یہاں حق کو خلق اور خلق کو حق سے دیکھتا ہے اور ایک کو دوسرے کا ''عین'' پاتا ہے۔ یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ اور سلوک میں اس سے برتر کوئی دوسرا مقام نہیں ہے۔

شرح حال و مقام

حال طریقت کی وہ کیفیت ہے جو اللہ کی طرف سے سالک کے قلب (روح) پہ وارد ہوتی ہے اور وہ حال کے ماتحت نقل و حرکت پہ مجبور ہوتا ہے۔ کبھی رک نہیں سکتا۔ اللہ جب حال کو بدل دیتے ہیں، پھر اسے کوئی واپس نہیں لا سکتا۔

حضرت ابوانیس محمد برکت علی قدس سرہٗ

(مکشوفات منازل احسان المعروف بہ مقالاتِ حکمت)

حال و مقام: حق تعالیٰ کی جانب سے جو روحانی واردات سالک کے دل پر اچانک وارد ہوں۔۔۔۔ حال ہے۔ جب ''حال'' دائمی ہو جاتا ہے اور سالک کا ملکہ راسخہ بن جاتا ہے تو اسے مقام

کہتے ہیں۔ حال آتا ہے اور جاتا ہے۔ مقام میں استقلال ہوتا ہے۔ حال سے سابقہ اصحابِ تلوین کو رہتا ہے۔ اور مقام، اصحاب تمکین کا حصہ ہے۔ اس لئے حال سے مقام اعلیٰ ہوتا ہے۔

(حضرت شاہ محمد ذوقی رحمۃ اللہ علیہ)

صاحب حال اور صاحب مقام: صاحب حال وہ صوفی ہوتا ہے جس کی توجہات کے اثرات دوسروں پر پڑتے ہیں۔ مگر توجہات کے کمزور و ناقص ہونے کی وجہ سے تاثیر کم ہوتی ہے۔ وہ حالات واقعات اور جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہے۔ ''گویا چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی'' کے مصداق کسی کو بدل نہیں سکتا بلکہ خود بدل جاتا ہے۔ بقول شاعر:۔ ؎

ستارہ کیا میری تقدیر کی خبر دے گا

وہ تو خود ہے گردش افلاک میں خوار و زبوں

چونکہ صاحبِ حال تصرف کرتا ہے اس لیے ابن الوقت کہا جاتا ہے۔ جبکہ صاحب مقام۔۔ حال پر تصرف کرتا ہے جو حالات کے دھارے بدلتا اور جبین وقت پر مہر لگاتا ہے اس لیے اسے ابوالوقت کہا جاتا ہے۔ بقول شاعر

ع حالات کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

چونکہ صاحب مقام لوگوں کی تقدیریں بدلنے پر مامور من اللہ ہوتا ہے۔ اس کی نظر کیمیاء، توجہ اکسیر اور دعا مستجاب ہوتی ہے اس لیے اس کے طفیل برکتوں کا نزول اور رحمتوں کا ورود ہوتا ہے۔ لوگوں کی مصیبتیں دور اور پریشانیاں کافور ہوتی ہیں۔ اس قسم کے صوفیاء خال خال اور بہت کم ہوتے ہیں۔

پیر محمد سعید احمد مجددیؒ

سعادت العباد شرح مبداء و معاد

حال اور صاحبِ حال و مقام کی کیفیات: جب ایک سچا طالب طریقت، صوفی، درویش یاد الٰہی میں مجاہدہ کرتا ہوا ذکر اسماء الحسنٰی کے ماتحت صفاتِ الٰہیہ کے دور کو لازم کرتا ہے اور اس پر اسماء الٰہیہ کی تاثرات کے لحاظ سے مختلف حالتیں (روحانی واردات) طاری ہوتی ہیں تو وہ ہر صفت کی مجازی

کیفیت کو اپنے آپ پر وارد پاتا ہوا اٹھانوے اسماء الٰہیہ صفاتیہ سے ان کی الگ الگ تاثیروں کے ماتحت عبور کرتا ہے اور مشاہدہ ذات و اسم ذات میں مشغول ہو جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں **اِذَا تم الفقر فهو الله** کا قول صادق آتا ہے۔ اور ایمان بالغیب اس کے لئے کفر ہوتا ہے۔ اس حال و مقام فنا میں جو وہ کہتا اور سنتا ہے وہ بموجب حدیث شریف اس کا اپنا اور اختیاری نہیں ہوتا بلکہ وہ معبود حقیقی خود ہی اس کے ہاتھ منہ، آنکھ، کان اور پاؤں وغیرہ قوتیں بن جاتا ہے۔ اور طالب حق میں اس ''منزل'' پر کن فیکونی طاقتیں ودیعت ہو جاتی ہیں۔ جہاں اس کا ہر قول و فعل اسی مالک کا قول و فعل ہوتا ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ
(شرح قصیدہ غوثیہ)

دنیا کے معنی: دنیا کے معنی ہی حقیر اور ادنیٰ چیز کے ہیں۔ دنیا کو حقیر جاننا اور اس کی بے ثباتی پر یقین رکھنا تصوف کی روح ہے۔ دنیا کیا ہے؟ دنیا اشیاء کا نام نہیں، دنیا مال و دولت کا نام نہیں بلکہ خدا کی یاد سے غفلت کا نام دنیا ہے:

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے وہ دنیا ہے اور یہ یقیناً قابل نفرت و مذمت ہونی چاہیے۔ سورہ حدید آیت 20 میں فرمایا گیا: ''جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل اور کود اور آرائش'' قرآن مجید کی اس آیت میں دنیا کی زندگی کو کھیل اس لئے فرمایا گیا کہ جیسے بچے کچھ دیر کے لئے کھیل کود میں شریک ہوتے ہیں اور اس کے بعد ایک دوسرے کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ یہی حال اہل دنیا کا ہے اور دنیا کی زندگی کو دھوکہ اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ سانس کا سلسلہ

کس وقت منقطع ہو جائے گا۔ کوئی نہیں جانتا بقول شاعر:۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں

سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

لہٰذا دنیا کی رنگینیوں اور آرائشوں کو ہی مقصد حیات بنا کر آخرت کی نعمتوں سے غافل رہنا بڑی نادانی ہے۔

(تصوف وطریقت)

مقالاتِ حکمت تاجدارِ دار الاحسان

پیرومرشد سرکار حضرت ابوانیس محمد برکت علی قدس سرہٗ

مقالاتِ سلوک وتصوف:

☆ شریعت جڑ، طریقت پودا، حقیقت پھل اور لذت وقوت معرفت ہے۔

☆ ولایت نبوت کی اور نبوت ربوبیت کی مظہر ہوتی ہے۔

☆ استقامت، نبوت کی سب سے بڑی خصلت ہے۔ ہر کسی کو کیسے دی جاسکتی ہے۔ استقامت کے بعد حال اور حال کے ساتھ مقام ہوتا ہے۔ جس میدان میں استقامت اتر آتی ہے، فتح ہو جاتی ہے۔

☆ فقیر فنا کے مقام پر پہنچ کر فارغ ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی خلوت میں کوئی جلوت مخل نہیں ہوتی۔ فقیر کے سوا کوئی دوسرا کسی بھی حال میں کبھی فارغ نہیں ہوتا۔

☆ **نجات وقرب وولایت کا واحد ذریعہ اتباعِ سنت پر مبنی وموقوف ہے۔**

☆ فناء فی اللہ۔ حقیقت کا آخری اور معرفت کا ابتدائی مقام ہے۔

☆ انسان جہانِ اصغر ہے اور تخلیق کا بہترین شاہکار ہے۔ جو سارے جہان میں ہے وہی ایک انسان میں ہے۔

☆ فصل کچی ہو یا پکی، نگران کی محتاج ہوتی ہے۔ سلوک کی پوری منزل نگران (یعنی شیخ کامل) کی محتاج ہوتی ہے۔

یا یہ کہ:

بچے، فصل، فقیری تینوں راکھی سے پلتے ہیں۔

☆ قطبیت کی پرواہ نہ کر، قطبیت کا کردار پیدا کر۔

☆ طریقت السلوک میں مرید پیر کی اور پیر مرید کی مراد ہوتا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پیری مریدی چیست! و کجامی رساند؟

☆ سالک کے سر پر سینگ نہیں ہوتے، استغناء کا عمامہ ہوتا ہے۔

☆ کدورت میں لطافت نہیں، کثافت ہوتی ہے اور کثافت میں کوئی شے نظر نہیں آیا کرتی۔

☆ اپنی غلاظت سے کسی کو کراہت نہیں ہوتی (یعنی من کی پلیدی سے)

☆ خبر کتاب سے اور نظر.....نظر سے حاصل ہوتی ہے۔

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب دیں از نظر (اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

فراست: کشف الروح ہے۔ فراست کو کشف پر فوقیت حاصل ہے۔

کشف: کسی چیز کی حقیقت کا کھل کر سامنے آنے کا اصطلاحی نام کشف ہے۔

اسرار: علم و حکمت کے مخفی بھید کو جس کے بغیر علم انسانی کا عرفان پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا، اسرار کہتے ہیں۔ (مکشوفات منازل احسان۔ جلد دوم)

☆ جو دل کینہ و کدورت سے پاک ہے واللہ ازل و ابد کا رازداں ہے۔ ماشاء اللہ!

☆ ذکرِ دوام ہی اے جان من! تیرا اسم اعظم و مونس ہے۔

☆ فکر، حکمت کا منبع، کاشف الاسرار اور بلوغ المرام ہے۔ چنانچہ طریقت الاسلام میں ذکر کے بعد فکر کو اہم مقام حاصل ہے۔ فکر سے مراقبہ، مراقبہ سے مشاہدہ اور مشاہدہ ہی سے فیض ہے۔

☆ توبہ ولایت کی اصل ہے۔ ایک پکی توبہ کتاب سلوک کا ایک باب ہوتی ہے۔ کبھی گم نہیں کی جاتی اور نہ کبھی نظر انداز کی جاتی ہے۔ رہتی دنیا تک زندۂ جاوید رہتی ہے۔

☆ دل۔۔۔ نماز سے شاد، قرآن سے آباد، عشق سے زندہ اور اہل فقر کی صحبت سے روشن ہے۔

صاحب حال کی صفات

☆ **صاحب حال** کیفیت کے اس مقام پر ہوتا ہے جہاں تحیر بھی ہے اور شعور بھی، جہاں جنون بھی ہے اور آگہی بھی۔

☆ **صاحب حال** کو مصیبت میں بھی مشیت ایزدی کے جلوے نظر آتے ہیں۔

☆ **صاحب حال** بغیر حال کے سمجھ نہیں آتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے وقت کے صاحب حال کو نہ جان سکے۔

☆ **صاحب حال** ذروں کے دل کی دھڑکن سنتا ہے۔ لاریب:

☆ **حال، صاحب حال** سے عنایت ہوتا ہے اور بعض کو اللہ سے۔

صاحب حال سے تعلق صاحب حال بنا دیتا ہے۔

(مکشوفات منازلِ احسان المعروف بہ مقالات حکمت)

حالتِ سکر وصحو: جب سالک پر حال کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ خود پہ قابو نہیں رکھ پاتے تو یہ راز ظاہر کر دیتے ہیں اسے حالتِ سکر کہتے ہیں۔ اگر سالک کا شعور تجلیات الٰہی کے وارد ہوتے وقت برقرار رہے تو یہ حالتِ صحو ہے۔

شطحیات: جب سالک حالتِ سکر میں ہو اور اس کی زبان سے جو کلمات اس کیفیت میں ادا ہوتے ہیں انہیں شطحیات کہتے ہیں اور ان کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔ یہ گفتگو قال نہیں، حال کی ہے اور جب تک حال وارد نہ ہو، کچھ نہیں ہوتا ہے۔

روحانی لطائف سے کیا مراد ہے؟: اصطلاح تصوف میں لطیفہ اس کیفیت کو کہتے ہیں جو لفظوں سے ظاہر نہ ہو سکے لیکن اس کا ادراک کیا جا سکے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک لطائفِ انسانی جسم

کے وہ پاکیزہ مقامات ہیں جن کے ذریعے سالک پر معرفت ربانی اور تجلیات الٰہی کے راز منکشف ہوتے ہیں۔

(لطائف کی تفصیل باب مقاماتِ سلوک میں آئے گی۔)

ذکر الٰہی کی اقسام

ذکر لسانی: زبان سے اسماء الحسنیٰ کا ورد کرنا، ذکر لسانی کہلاتا ہے۔

ذکر قلبی: نقشبندی سلسلے کا خاص اندازِ ذکر کہ زبان خاموش ہو اور دل متوجہ الی اللہ اور ذاکر ہو، ویسے دل تو ہر انسان کا متحرک ہے۔ لیکن ذکر الٰہی کے خیال اور اس تحرک کے نور سے اور کثرت ذکر سے دل میں محسوس انوار نکلنا شروع ہو جاتے ہیں اور حرکت قلب تیز ہو جاتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ مسلسل ترتیب سے تمام لطائفِ بدن ذکر سے معمور ہو جاتے ہیں بلکہ تمام بدن ایک لطیفہ بن جاتا ہے جو ذکر سے معمور رہتا ہے، اسے ''ذکر دوام'' بھی کہا جاتا ہے۔

ذکر نفی اثبات: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ اس آیت سے نفی و اثبات کے ذکر کا اشارہ ہے۔ سلوک و طریقت میں مشائخ مختلف اذکار کی تلقین کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو افضل الذکر قرار دیا ہے۔

(سلوک وتصوف کا عملی دستور)

سلطان الذکر: ذکر کی ایک جامع اور آخری کیفیت ہے جس میں جسم کا رواں رواں ذکر محسوس کرتا ہے۔

(نوٹ): راقم الحروف کی کتاب ''صوتِ سرمدی'' میں مزید تفصیل پڑھیں۔ شکریہ

حال: حال کا معنی حلول کرنے والی چیز یعنی دل میں ان کا آنا۔اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اچانک آتے ہیں اور اچانک چلے جاتے ہیں۔(مفتی محمد صدیق ہزاروی۔رسالہ قشیریہ)

حال وقال: نسبت باطن جب کسی سالک پر ظاہر ہو جائے تو اس ظہور کو حال کہتے ہیں اور جس پر ظاہر ہو وہ صاحبِ حال کہلاتا ہے۔

قال: نسبتِ باطن کا صرف علمی بیان قال کہلاتا ہے۔قال کے معنٰی بات چیت اور باطنی اسرار کے بارے علمی بیان کرنے والا صاحب قال کہلاتا ہے۔

نسبت: تعلق کو کہتے ہیں اور اصلاح صوفیہ میں وہ باطنی تعلق باللہ ہے جو تمام احوال و کیفیات میں جان اور روح کی صورت قائم رہتا ہے۔

خرق: خرق کے لفظی معنٰی پھاڑنے کے ہیں۔مراد عادت کے خلاف کسی فعل کا ظہور میں آنا۔

محویت تامہ: کامل طور پر خیال کا یکسو ہو جانا محویت تامہ کہلاتا ہے۔

تصرف: صوفیاء کی اصطلاح میں کسی ولی اللہ کا اپنے ارادہ کی طاقت سے اسباب ظاہر کے بغیر کام کرنے کے عمل کو تصرف کہتے ہیں۔

فیض: اہل تصوف میں یہ اصطلاح عام مستعمل ہے۔اس سے مراد انوار کا نزول ہے۔مربی (شیخ کامل) کے انوار مرید کے سینے میں ارادہ سے اور بے ارادہ آتے ہیں۔ان انوار کی آمد کو فیض کہتے ہیں۔ جس کی مختلف صورتیں ہیں۔کبھی تو انوار کی بارش سینے پر برستی معلوم ہوتی ہے اور یہ بارش سامنے برستی بھی محسوس ہوتی ہے۔کبھی جسم میں لطیف لطیف جھٹکے محسوس ہوتے ہیں۔کبھی غنودگی چھا جاتی ہے۔

تصرفِ قلبی: دل پر تصرف یعنی دل کے حالات میں ردو بدل کی قوت حاصل ہونا ہے۔

وجد: وجد عموماً بعض ذی روح چیزوں خصوصاً اہل ایمان میں سے ایسے حضرات کو ہوتا ہے جو

تلاوتِ قرآن یا نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ذکر باری تعالیٰ یا بزرگان دین کی تعریف وتوصیف سنتے ہیں تو ان پر کسی خاص کیفیت کا ورود ہوتا ہے۔ یا انوار وتجلیات کا ورود ہوتا ہے تو ایسی صورت میں وہ اپنے اوپر قابو اور کنٹرول نہیں کر پاتے جس کی وجہ سے ان کے جسم پر اضطراب وحرکت پیدا ہو جاتی ہے جس کی بنا پر کبھی ادھر کبھی ادھر، کبھی آگے، کبھی پیچھے جھکتے اور گر پڑتے ہیں۔ اور کبھی کبھار بے ہوش بھی ہو جاتے ہیں تو ایسی حرکات کو وجدِ حقیقی کہا جاتا ہے اور اس کا محمود ومستحسن ہونا قرآنی آیات واحادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

(''وجد'' از الشیخ الحدیث مفتی غلام فرید ہزاروی)

وجد کیا ہے؟: وجد وہ کیفیت ہے جو اتفاقاً طاری ہو اور یہ کیفیت اوراد ووظائف کا نتیجہ ہے۔ پس جس شخص کے وظائف زیادہ ہوں گے اس پر اللہ کی عنایت بھی زیادہ ہوگی۔

(رسالہ قشیریہ)

تواجد: اپنے اختیار سے وجد کو لانے کا نام ہے اور ایسے شخص کا وجد کامل نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ کامل ہوتا تو ''واجد'' کہلاتا۔ (''مُتَوَاجِد'' نہ کہلاتا)۔ البتہ یہ وجد کی ابتداء ہے اور اس کے بعد وجد حقیقی ہو جاتا ہے۔

(رسالہ قشیریہ)

مقام: صوفیاء کی اصطلاح میں ایک لفظ ''مقام'' ہے اور مقام وہ آداب ہیں جن کے ذریعے بندہ کسی منزل کو حاصل کرتا ہے اور وہ اس تک کسی عمل کے ذریعے پہنچتا ہے اور کچھ طلب کے ساتھ یہ مقام اس کیلئے ثابت ہوتا ہے اور وہ اسے تکلیف کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ پس ہر ایک کا مقام وہ ہے جہاں وہ اس عمل کے قائم ہے اور اس وقت وہ جس ریاضت کی مشق کر رہا ہے۔ (رسالہ قشیریہ)

زہد وورع کا فرق: زہد اور ورع کا فرق یہ ہے کہ شبہات سے بچنے کا نام ورع ہے۔ جب دنیا سے بے رغبتی اختیار کی جائے تو یہ زہد ہے۔ (مفتی محمد صدیق ہزاروی، رسالہ قشیریہ)

لوائح، طوالع، اورلوامع: راہِ سلوک کے مسافروں کے ابتدائی احوال ہیں اور یہ درحقیقت انوار ہیں جو قوت وصنعت میں مختلف ہیں۔ لوائح سے طوالع زیادہ قوی ہے اوراس سے لوامع زیادہ قوی ہے۔

بوادہ: وہ کیفیت ہے جو اچانک دل پر وارد ہوتی ہے۔ یا تو وہ خوشی کا باعث ہوتی ہے یا غم کا سبب۔

رجاء: رجاء کا معنیٰ مستقبل میں کسی محبوب چیز کی امید سے وابستہ ہونا ہے۔ یا یہ امید ہوتی ہے کہ کوئی چیز زائل ہو جائے گی اور کس ناپسندیدہ چیز سے اسے بچالیا جائے گا۔

غیبت: غیبت سے مراد مخلوق کے احوال میں سے جو کچھ جاری ہے، ان کے علم سے دل کا غائب ہونا ہے۔ کیونکہ حس وارد ہونے والے احوال میں مشغول ہوتی ہے۔

حضور: کبھی صوفی حق تعالیٰ کے ''حضور'' میں ہوتا ہے۔ کیونکہ جب وہ خلق سے غائب ہوتا ہے تو حق کے ''حضور'' میں ہوتا ہے اس طرح کہ گویا وہ حاضر ہے اوراس کی وجہ اس کے دل پر ذکرِ حق کا غلبہ ہے تو وہ قلبی طور پر اپنے رب کے حضور حاضر ہوتا ہے۔

سِرّ: سِرّ کا اطلاق اس راز پر ہوتا ہے جو بندے اور حق کے درمیان ہر حالت میں محفوظ اور پوشیدہ ہوتا ہے۔

فناء اور فناء الفناء کا فرق: فناء اور فناء الفناء میں فرق یہ ہے کہ فناء میں فناء کا احساس وشعور رہتا ہے لیکن فناء الفناء میں یہ شعور نہیں رہتا کہ میں فنا ہو چکا ہوں۔

فناءاور بقاء

صوفیائے کرام کے الفاظ میں لفظ ''فناء'' اور ''بقاء'' کا استعمال عام ہے۔فناء کا مطلب بُرے اوصاف کا ساقط ہونا ہے اور بقاء کا مطلب اچھے اوصاف کا اس کے ساتھ باقی رہنا ہے۔مزید یہ کہ جوشخص اپنے اخلاق کو ٹھیک کرنے کی طرف متوجہ رہے پس وہ اپنے دل سے حسد،کینہ،بخل (کنجوسی) تکبر اور اس طرح کی دیگر رعونتوں (غرور وغیرہ) کو نکال دے تو کہا جائے گا یہ برے اخلاق سے فناء ہو گیا اور جب برے اخلاق سے فناء ہو جائے تو جواں مردی اور سچائی کے ساتھ باقی رہے گا۔

☆ جو اپنے جہل سے فناء ہو گیا وہ اپنے علم کے ساتھ باقی رہا۔

☆ جو اپنی خواہش (نفسانی) سے فناء ہوا وہ ''رجوع الی اللہ'' کے ساتھ باقی رہا۔

☆ جو اپنی رغبت (دنیا) سے فناء ہوا وہ اپنے زہد کے ساتھ باقی رہا۔اور جو اپنی تمنا سے فناء ہوا وہ اللہ کے ارادے کے ساتھ باقی رہا۔اسی طرح تمام صفات کا معاملہ ہے۔ (رسالہ قشیریہ)

☆ جوشخص غیر خدا سے فناء ہو کر (مشاہدات اور مراقبات کے ذریعے) آرام پائے (حقیقت میں) وہ مردہ نہیں بلکہ وہ (ابدی زندگی کے ساتھ) زندہ ہے۔ (رسالہ قشیریہ)

☆☆☆☆☆☆

نسبتِ اویسی

حضرت اویس قرنیؓ کی طرف یہ منسوب ہے۔ آپ جذب کامل رکھنے والے تابعی تھے اور عشقِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں سرمست اور حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ظاہر زیارت نہ کی تھی۔ اسی واسطے باطن کی ایسی نسبت کو "اویسی نسبت" کہتے ہیں۔ کسی غائب بزرگ سے محبت کی نسبت یا کسی صاحبِ مزار سے باطن کی نسبت جس میں جذب کی کیفیت غالب ہو، کو "نسبت اویسی" کہتے ہیں۔

منزلِ وصل: تصوف میں ہر ارتقائی مقام کے منازل اور مراحل ہیں فقر و تصوف کی آخری منزل فناء کی تکمیل ہے۔ سالک جب راہِ مولا میں سفر کرتا ہے جسے سیر نفسی کہتے ہیں تو دنیا سے اس کا دل اچاٹ ہو جاتا ہے پھر آہستہ آہستہ اسے یہ عالم اسباب ایک کھلونا نظر آتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی معرفت (یعنی محبت) بڑھتی ہے تو ماسوا کا ڈھانچہ نظر میں نہیں رہتا اور تمام احساس ماسوا سے ہٹ کر روح پر لگ جاتا ہے اور اس محویت میں اپنا آپ بھی بھول جاتا ہے بس تُو ہی تُو رہ جاتا ہے اور یہی منزلِ وصل و وصال ہے۔

توجہ: اس کے معنی متوجہ ہونا، شیخ کامل اپنے دل کی گرمی اور نور کو اپنے طالب پر القا فرماتا ہے۔ شیخ کا قلب منور اور جان پاک مرید کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور مرید کے دل و جسم کو روحانی تاثیرات سے بھر دیتی ہے اور دل اور جسم کو جنبش دیتی ہے یہ گرمیٔ نور اور جنبش شیخ مرید کی قابلیت اور استعداد و قوت کے مطابق ہوتی ہے۔

ع بُعد منزل نہ بود در سفر روحانی

مراقبہ: انتظارِ فیض میں متوجہ الی اللہ ہو کر بیٹھنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ راہِ سلوک میں اس کی کئی اقسام ہیں۔ جس کی تفصیل کتب تصوف میں ہے۔

تجلی: ذات و اسماء و افعال الٰہی کا کسی پر پھینکا جانا، تجلی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لغت میں تجلی

ظاہر کرنے اور ظاہر ہونے کو کہتے ہیں۔ ہر وہ شان اور وہ کیفیت اور وہ حالت جس میں حق تعالیٰ کا یا اس کی کسی صفت یا اس کے کسی فعل کا اظہار ہو، تجلی کہلاتا ہے۔

حقیقت: ظہور ذات حق ہونا، بندہ کے اوصاف جب حق تعالیٰ کے اوصاف میں محو ہو جاتے ہیں اور بندہ کی ذات حق تعالیٰ کی ذات میں گم ہو جاتی ہے تو بندہ اپنی حقیقت کو پالیتا ہے۔

حیرت: انکشاف حقیقت پر ہکا بکا ہو جانا۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

حیرت مذموم اور حیرت محمود: حیرت مذموم نتیجہ ہے جہالت کا اور سبب ہے تنزل کا، حیرت محمود نتیجہ ہے علم کا اور سبب ہے عروج و ترقی کا۔

مکاشفہ: ماضی، حال اور مستقبل کی کیفیات کا مرد کامل کے آئینہ دل پر منعکس ہونا، اسے مکاشفہ کہتے ہیں۔ اس کے لفظی معنی کسی چیز کو چمکانا ہے۔

رویائے صادقہ: سچا خواب، یہ بھی ایک زبان ہے جس میں حق تعالیٰ اپنے بندہ سے باتیں کرتا ہے۔ ایک روزن (دروازہ) ہے۔ جس میں عالم غیب کی خبریں انسان تک پہنچائی جاتی ہیں۔ ایک کشف ہے الہام ہے۔ مگر یہ کشف و الہام کی سب سے کمزور قسم ہے۔

رویت: کسی چیز کو آنکھ سے دیکھنا نہ کہ بصیرت سے معلوم کرنا۔

ریاضت: تزکیہ نفس، تہذیب، اخلاق اور اوصاف ملکوتی کے حصول میں مشقت اٹھانے کا نام ریاضت ہے۔

ریحان: وہ نور جو ریاضت اور تصفیہ باطن سے حاصل ہوتا ہے اسے ریحان کہتے ہیں۔

فناء اور بقا

فناء: سالک جب ذکر و فکر کے ذریعے راہ سلوک طے کرتا ہے تو کامل پیر کے اثرات اور ذکر اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے اور احساسِ قرب الٰہی پیدا ہوتا ہے اور اس کی ہستی (ذات) اور انانیت اس نورِ مطلق کے قرب کی وجہ سے غیر محسوس ہو جاتی ہے اس کو تصوف و طریقت کی اصطلاح میں فناء کہتے ہیں۔

بقاء: فناء کی منزل جب مکمل ہو جاتی ہے اور طبیعت عالم بالا کے تمام اثرات (انوار و تجلیات) کا فیض قبول کر لیتی ہے تو پھر احساسات میں عالم آب و گل کے قیام کی حکمتیں نمودار کر دی جاتی ہیں اور اب سالک دنیا کی طرف زندہ احساسات سے دیکھتا ہے لیکن پہلی زندگی (قبل فناء) اور اس دوسری بقاء میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی زندگی کے احساسات (مقاصدِ حیات) حیوانی تھے۔ اب احساسات خلافت الٰہیہ کے ہیں۔ اب وہ دنیا میں حق کے نظام کو قائم کرنے کے لئے وقف ہو جاتا ہے اور شب و روز اس کی ساری جد و جہد نظام خلافت کو قائم کرنے میں مصروف ہو جاتی ہے"۔

(انقلاب الحقیقت)

تصورِ شیخ: راہِ طریقت و روحانیت کی حقیقت مادی دنیا سے الگ ہو کر (روحانی) تصورات کی دنیا میں جانا ہے۔ اور سالک کے لئے محبت کا مظہر اول اپنے شیخ کامل کا وجود مسعود ہے اس لئے اگر تصور شیخ (شیخ کامل کی دلربا اداؤں کا خیال) میں پختگی آجائے تو آئندہ منازلِ سلوک میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ طریقت کے سلسلہ نقشبندیہ میں **اللہ** اسم ذات ہے۔ اس مبارک اسم کا ذکر (یاد کرنا، پکارنا، سِرّی یا جہری طور پر) اور تصور اکسیر اعظم ہے اور روح کی زندگی ہے۔ لیکن اس تصور اسمِ ذات یعنی "اللہ" کی پختگی سے پہلے پہلے اپنے شیخ کامل کا تصور پختہ کر لینا حصول ذوق و شوق اور اخلاص و محبت الٰہی کے لیے ضروری ہے۔ (یہ تصور ذریعہ ہے مقصودِ روحانیت نہیں ہے)۔

کمالاتِ ولایت، کمالاتِ نبوت: جب انسان دنیا میں اپنی حقیقت کی طرف ترقی کرتا ہے تو اس پر عالم بالا کی عجائبات وانوارات کا ایک باب کھل جاتا ہے۔قربِ خداوندی محسوس کرتا ہے اور ولی اللہ کہلاتا ہے اور اسی قرب، نسبت و دوستی کی انتہا کمالاتِ نبوت کے حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ کیونکہ ولایت، نبوت کا عکس ہے، ظل ہے۔ (انقلاب الحقیقت)

فنافی الشیخ: جب سالک کسی شیخ کامل سے بیعت ہوتا ہے تو شیخ کامل کے روحانی اثر، توجہ سے سالک کی انا (خودی) میں کمی آجاتی ہے۔اور اس اثر و ذکر وفکر سے انوار وتجلیات غلبہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ انانیت ختم ہوجاتی ہے اور شیخ کامل کا اثر اتنا غالب ہوجاتا ہے کہ تمام تاثرات میں سالک کے اندر باہر اپنے پیر کامل کی جلوہ گری ہوتی ہے اس کو فنافی الشیخ کہتے ہیں۔

فنافی الرسول: فنافی الشیخ کے بعد سالک کی طبیعت مزید روحانی ترقی کرتی ہے۔اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی تاثیرات سالک پر جلوہ ریز ہوتی ہیں اور پھر اس کی موجودہ کیفیات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاثرات (اسوۂ حسنہ) میں گم ہوجاتی ہیں اس کو فناء فی الرسول کہتے ہیں۔

(انقلاب الحقیقت)

فنافی الشیخ، فنافی الرسول اور فنافی اللہ: علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
(ترجمہ) صوفیاء نے فرمایا ہے کہ صوفی کو پہلے فنافی الشیخ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔پھر وہ فنافی الرسول کے درجہ پر فائز ہوتا ہے، پھر وہ فناء فی اللہ کی منزل تک رسائی حاصل کرتا ہے۔فناء کا مطلب۔محبت کی وہ کیفیت ہے جب انسان اپنے محبوب کے ذکر کے وقت اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیتا ہے اور اپنے محبوب کے علاوہ اسے کوئی چیز دکھائی ہی نہیں دیتی۔

(تفسیر ضیاء القرآن، جلد چہارم ص ۳۷۸)

ہمت: شیخ کامل اپنے مریدوں کو اپنے روحانی فرزند خیال فرماتا ہے۔اور ان کو اپنی توجہات باطنی

سے ہمیشہ نوازتا رہتا ہے۔ اگر چہ یہ توجہ بعض مرید اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کھل کر قبول کرتے ہیں اور دیگر طالبین سے بازی لے جاتے ہیں۔ انہی مسلسل توجہات اور پوری نگہداشت اور تربیت میں جزئیات کو بھی ملحوظ رکھنے کو "ہمت صرف" فرمانے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ چونکہ "روحانیت" میں "خیال" کی لطافت ہی کام کرتی ہے اس لئے دور و نزدیک کا سوال نہیں اور ظاہر و پوشیدہ کا بھی اثر کم ہے۔ جہاں خیال ہوگا وہیں اثرات پہنچیں گے۔

حقیقت مراقبہ: سالک بس خالی الذہن ہو کر (تنہائی میں) متوجہ الی اللہ ہوتا ہے اور وہ کچھ پڑھتا نہیں بلکہ فیض کی انتظار ہوتی ہے۔ مراقبہ میں شرط یہ ہے کہ خیالات سے پاک ہو کر متوجہ ہوا جائے اور غالب خیال یہ رہے کہ انوار و فیوضات سینے میں آ رہے ہیں۔ روحانیت میں کمال کے بعد زماں و مکاں کا بُعد بھی کم ہو جاتا ہے۔ مراقبہ حصول فیض کا ایک روحی احساس ہے۔ اگر یکسوئی کے ساتھ اور پابندی کے ساتھ مراقبہ کیا جائے تو بابِ فیض روحانی کھل جاتا ہے۔

(انقلاب الحقیقت)

قوت روحانی، قوت جسمانی: روح اور جسم متضاد چیزیں اکٹھی ہیں۔ جسم کے ذریعے جو قوت زندگی بحال رکھنے کے لئے غذاؤں، دوائیوں سے پیدا کی جاتی ہے وہ جسمانی قوت ہے اور روح کی قوت، عبادات، ذکر الٰہی، فکر، یکسوئی، مراقبہ اور روحانیت کے لئے کی جانے والی ہر نیکی سے پیدا ہوتی ہے پھر وہ بڑھتی ہے یہاں تک کہ جسمانی قوتیں، روحانی قوت سے مغلوب ہو جاتی ہیں۔

اشراقِ کامل: ذکر الٰہی سے اور تعلق باللہ سے جب سینہ روشن ہو جائے تو ماضی حال اور مستقبل کے حالات سینے کے آئینہ (قلب و روح) میں منعکس ہوتے ہیں اور حقائق اشیاء و کائنات کھل کر سامنے آتے ہیں یہی اشراق ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو چمکانا۔

عقلِ کل: مراد طریقت اور شریعت کی تمام جزئی اور کلی امور کو پوری طرح سمجھ لینا ہے۔

اعراض ماسوا: اصطلاح تصوف میں یہ "ماسوا" اللہ کا مخفف ہے یعنی جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا

ہے۔اعراض، روگردانی اور بے توجہی کو کہتے ہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی ہے اس سے رخ موڑ لینا "اعراض ماسوا" کہلاتا ہے۔

مجہول کیفیات: وہ روحانی کیفیات جو واضح طور پر وارد نہ ہوں اور سالک کو ان کے بارے میں تردّد رہے۔ان کا درست ادراک نہ پا سکے۔

اسم ذات: اللہ تعالیٰ کے 99 (ننانوے) نام ہیں باقی تمام اسماء الحسنٰی صفاتی ہیں صرف **اللہ** ذاتی نام ہے۔سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ ہیں یہی نام مبارک ابتداء اور انتہا میں "مرکز توجہ" ہے۔

(انقلاب الحقیقت)

کشف کیا ہے؟: وہ اسرارات الٰہی و رموز باطنی جس کو فقر و تصوف و علم باطن کہتے ہیں آج تک اولیاء اللہ کے ذرائع سے سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں اور تا قیام قیامت یہ فیضان حضور علیہ السلام کا جاری و ساری رہے گا۔اس علم میں ایک شعبہ کشف ہے۔جس کی دو قسمیں ہیں:

1- کشف کونی 2- کشف ذاتی

کشف کونی: کشف کونی وہ کشف ہے جس میں سالک کو احوال عالم سے روزانہ اطلاع اور عالم ملکوت کی فتح و کشائش نصیب ہوتی ہے۔

2- کشف ذاتی وہ کہ جس میں عارف کو ذات حق و حقیقت اشیاء کا انکشاف ہو۔ (الفقر فخری)

روح

روح ایک ایسی چیز ہے جس کے جسم میں آنے سے جسم زندہ ہو جاتا ہے اور جسم سے نکل جانے سے جسم کو موت آ جاتی ہے۔ حرکت حیات کا سبب قریبی یہی روح ہے۔ ہر چیز میں روح جاری و ساری ہے۔ جو روح نباتات کی حیات کو قائم رکھتی ہے، اس سے وہ روح ارفع ہے جو حیوانات کی حیات کو قائم رکھتی ہے اور اس روح سے وہ روح ارفع و اعلیٰ ہے جو حیات انسانی کو قائم رکھتی ہے۔ حیات انسان کو قائم رکھنے والی روح تین اجزاء سے مرکب ہے۔ ان میں ہر جزو پر روح کا لفظ بولا جاتا ہے یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حیات انسانی کے قیام میں تین مختلف اقسام کی روحیں مدد و معاون ہوتی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

1- روح حیوانی:

وہ ہوائے لطیف ہے جو عناصر کے بخارات لطیف سے متعدد ہضموں کے بعد پیدا ہوتی ہے اور جسم میں قبولیت حیات کی صلاحیت پیدا کر کے اس میں حس و حرکت پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے سبب روح اصلی کو بدن سے علاقہ ہے اور اسی کی مفارقت سے بدن مر جاتا ہے۔ کیونکہ روحِ حیوانی ہی کے قلب سے بے تعلق ہو جانے کا نام موت ہے۔ اس بے تعلقی سے انسان کی وہ کیفیت ہو جاتی ہے جو درخت کی جڑیں کاٹ دینے کے بعد درخت کی ہو جاتی ہے کہ اس کا تغزیہ بند ہو جاتا ہے اور وہ خشک ہو جاتا ہے۔

2- روحانی انسانی:

یہ روح حیوانی پر ایک اضافی چیز ہے۔ اللہ کا ایک نور ہے جس کا پرتو روح حیوانی پر ڈالا جاتا ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علیم کی شعاع علم ہے جو نطفۂ انسانی پر چمکتی ہے اور رحم مادر میں

تخلیق انسانی کی تخلیق کی تکمیل کا باعث ہوتی ہے۔اسے روح ملکوتی بھی کہتے ہیں۔

3-روح القدس:

ہر چیز میں اللہ کی روح ہے اور اسی بنا پر روح القدس کہلاتی ہے اور اسی کو روح الارواح بھی کہتے ہیں۔ سرّ الٰہی اور وجود باری کے ساتھ بھی اسے تعبیر کیا جاتا ہے۔روحِ حیوانی ہو یا روح ملکوتی یا روح القدس یا روح کا کوئی اور شعبہ یا مرتبہ، سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور حقیقتاً سب ایک ہی اصل کی جانب راجع ہیں۔ چونکہ روح انسانی اپنی اصل اور حقیقت کے لحاظ سے روح اعظم ہے اور روح اعظم مظہر ربوبیت ذات الٰہی ہے۔اس لئے ممکن نہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور اس کی کنہ تک پہنچ سکے۔

(سرِّ دلبراں)

(نوٹ)۔"تصرفاتِ روح" کے لئے راقم الحروف کی کتاب "جسم مثالی کے کمالات" ملاحظہ فرمائیں۔

ازل: ازل اسے کہتے ہیں جس کی ابتداء نہیں۔

ابد: ابد اسے کہتے ہیں جس کی انتہا نہیں۔

علمِ لدّنی: علم لدّنی سے مراد وہ باطنی علم ہے جو بغیر الفاظ و عبارت کے محض اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے (بطریق الہام جس کو وحی خفی بھی کہا جاتا ہے) حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو علم لدنی عطا فرمایا تھا۔

خرقہ: خرقہ وہ لباس ہے جو شیخ کامل اپنے مرید کو داخلِ سلسلہ کرتے وقت یا قبل تکمیل یا بعد تکمیل عطا فرماتا ہے۔

رشحات: لغوی معنیٰ قطرات کے ہیں۔تصوف کی کتابوں میں اس سے اشارہ ان علوم و فیوض و معارف و دقائق و حقائق کی جانب ہوتا ہے جن کا تقاطر عالمِ قدس سے سالک کے قلب پر ہوتا رہتا ہے

ابن الوقت: وہ ابتدائی سالک صوفی جو تابع حال ہو یا اس پر حال کا آنا اور جانا اس کے اختیار میں نہ ہو، اسے مغلوب الحال اور صاحب تلوین بھی کہتے ہیں۔

ابوالوقت: وہ کامل صوفی جو تابع حال نہ ہو اور حال کا آنا، قائم رہنا اور چلا جانا اس کے اختیار میں ہو۔ اسے ابوالحال اور صاحب تمکین بھی کہتے ہیں۔

فقر: کسی سالک کا مراتب نزول وعروج کو طے کر کے ذات حق سبحانہٗ تعالیٰ میں فانی ہو جانا اور دونوں عالم سے بے نیاز ہو جانا فقر ہے۔ اور فقیر وہی ہوتا ہے جس کو یہ فقر کی کیفیت حاصل ہے۔

تجرید وتفرید: تجرید ہے ازالہ ماسویٰ از قلب اور سیر بسوئے رویت ظہورِ حق در کل۔ تجرید کی ظاہری صورت ہے ماسویٰ اللہ سے اعراض۔ تفرید یہ ہے کہ اعتبارات کے لباس کو ممکنات کے حقائق سے اتار کر حقیقت واحدہ منفردہ کی جانب رجوع کیا جائے۔ یہ بھی ہے کہ تجرید۔ خلائق وعلائق سے بے تعلق کا نام ہے۔ اور تفرید خودی سے بے تعلقی کو کہتے ہیں۔

علم لدّنی: وہ علم ہے جو انبیاء علیہم السلام کو بلا واسطہ اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے جس کے ذریعے انبیاء کرام جملہ کائنات کی حقیقت سے آگاہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے اسرار ان پر منکشف ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ کو بوسیلہ انبیاء کے یہ علم لدنی حاصل ہوتا ہے۔ جملہ اولیاء اللہ نور نبوت سے روحانی تربیت پا کر علم لدنی حاصل کرتے ہیں۔ جس سے رموزِ معرفت اور اسرار حقیقت ان پر منکشف ہو جاتے ہیں۔

(روحانیت اسلام اور سائنس)

برزخ: عالمِ مثال کو برزخ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ درمیان ہے عالم ارواح اور عالم اجسام کے۔ برزخ کے کئی معنی ہیں۔ معروف معنی یہ ہے کہ برزخ اس زمانے کو بھی جو موت سے حشر تک ہے، برزخ کہا جاتا ہے۔

تسلیم: اپنے نفس (ذات) کو معشوقِ حقیقی کے سپرد کر دینا اور اس کی اطاعت میں گردن جھکا دینا تسلیم ہے۔

جمال: معشوق کا اپنے کمالات کو عاشق کے عشق کی زیادتی کے لیے ظاہر ہونا، جمال کہلاتا ہے۔

خلیفہ: انسان کامل کو کہتے ہیں۔ جو کسی نبی کا یا کسی ولی کا جانشین ہو، وہ اس کا خلیفہ کہلاتا ہے۔

ذات: ذات وجود، ہستی ہست ذات بحت یعنی وجودِ حق بلا اعتبار صفات وتعینات۔

رضا: رب تعالیٰ سے ہر حال میں خوش رہنا رضا کہلاتا ہے۔

حجابات نورانی وظلمانی

اللہ فرماتا ہے۔ **مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا** (بنی اسرائیل:۷۲)

(جو حیات دنیاوی میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا یعنی جو یہاں نورِ ایمانی سے مستنیر نہیں ہوا وہ آخرت میں بھی اسی گمراہی میں پھنسا رہے گا)۔ اس جگہ اندھے ہونے سے مراد دل کا اندھا ہونا ہے۔ وہ دل بینائی سے محروم ہونے کے باعث "پردۂ غفلت" میں پڑے ہوئے ہیں۔ غفلت کا سبب تکبر، غرور، کینہ، حسد وغیرہ ہے۔ جب دل ان رذائل سے پاک ہو جائے گا تو وہ نورالٰہی سے منور ہو جائے گا۔

سعادت، شقاوت: سعادت سے مراد نیک بختی ہے اور شقاوت بدبختی ہے۔ جب انسان کی نفسانی خواہشات روحانیت کا لبادہ اوڑھ لیتی ہیں تو اس کی سعادت، شقاوت پر غالب آجاتی ہے۔ اور جب یہی شخص دنیا کی حرص وہوس کا شکار ہو جاتا ہے تو شقاوت، سعادت کی جگہ لے لیتی ہے۔

مردِ کامل: وہ ہے جس کا دل بشری کمزوریوں، خواہشوں اور لذات وشہوات سے پاک وصاف ہو۔ نیز اغیار (یعنی غیر اللہ) کیلئے اس کے دل میں کوئی جگہ نہ ہو تو پھر اس کے قلب مصفّٰی میں عکسِ جمال ذات الٰہی کی جلوہ نمائی ہوتی ہے۔

لطیفہ: ایک وجدانی کیفیت اور قلبی لذت ہے جس کو روح ادراک کرتی ہے۔ ''لطائف ستہ'' کا بیان الگ ہے۔

زاہد خشک وزاہد تر: ظاہر طور پر نمازی، پرہیز گار، شرع کا پابند لیکن دل اللہ تعالیٰ ورسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت سے خالی ہوا ایسا زاہد، زاہد خشک ہوتا ہے۔ اور جس میں زہد کی باتیں عیاں ہوں۔ اس کو آخرت کا خیال ہر وقت رہتا ہو، لذتِ نفس سے بچتا ہو، ہر وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی محبت سے دل لبریز ہو، وہ زاہد تر ہوتا ہے۔

بصیرت: روح کی آنکھ ہے جو اولیائے کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کے وسیلے سے دلوں میں کھلتی ہے۔ جو ظاہری علم سے نہیں علم لدنی (جو باطنی علم ہے) اس کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **وَعَلَّمۡنَا مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًاہ** (اور ہم نے اسے اپنے خاص علم سے نوازا)

علم ظاہر۔ علم باطن: ہمیں دو قسم کا علم ودیعت فرمایا گیا ہے۔ علم ظاہری اور علم باطنی، یعنی علم شریعت اور علم طریقت! شریعت کا حکم ہمارے ظاہر پر اور طریقت کا علم ہمارے باطن پر نافذ ہوتا ہے۔ صرف ظاہری علم سے حقیقت تک رسائی ممکن نہیں اور نہ منزل مراد تک پہنچا جا سکتا ہے عبدیت کی تکمیل کیلئے دونوں علوم کا ہونا ضروری ہے ایک ناکافی ہے)۔ (سرالاسرار)

طہارت ظاہری: جس کے حاصل کرنے کے لیے شرعی پانی کا ہونا ضروری ہے۔

طہارت باطنی: جس کے لیے توبہ، تلقین، تصفیہ قلب ضروری ہے۔

تجرد: تجرید سے مراد صفات بشریہ کا بالکلیہ ختم کر دینا ہے اور عالم خداوندی میں صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہو کر بقا کا مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جیسے اخلاقِ خداوندی کو اپناؤ یعنی مظہر اوصاف الٰہیہ بن جاؤ۔ (سرالاسرار)

وجد روحانی: وجد روحانی ایک ایسا جذبہ یا دل کا جوش (روحانی سرور) ہے جو قرأت قرآن مجید، پسندیدہ و دلکش آواز میں صوفیانہ کلام یا ذکر و اذکار کی سماعت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس وجد و جذبہ میں ایسی قوت اور طاقت ظہور پذیر ہو جاتی ہے جو روحانیت کی ترقی کا باعث بنتی ہے۔ اور اس کیفیت میں جسم کے اندر قوت و اختیار تک نہیں رہتا اور صاحب وجد شخص پر بے اختیار وجد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ (سرالاسرار)۔

☆ راقم الحروف کا وجدان ہے کہ حالتِ وجد میں صاحبِ وجد کا جسم زمین پر تڑپتا ہوتا ہے اور اس کی روح عالم بالا پر سیر کرتی ہے اور عالم بالا کے عجائبات کا اسے مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ اور اسی حالت وجد میں اسے ''شراب طہورا'' کا جام پلایا جاتا ہے جس سے اس کی زندگی کا رخ ہی ہمیشہ کیلئے بدل جاتا ہے اور وہ اللہ کی محبت میں دیوانہ و مستانہ بن جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

شانِ درویش اور اقبالؒ

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے

وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

ہر ملت اپنے افراد کے باعث قائم پذیر ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مذکورہ بالا شعر میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ کسی ملت کے قوم کا مردِ درویش چراغِ ملت کو ہر حال میں روشن رکھتا ہے۔ خواہ ملکی حالات کتنے ہی ناساز گار کیوں نہ ہوں اور جب ملت کے ایسے نوجوان موجود ہوں تو ملت کبھی مردہ نہیں ہوتی۔ درحقیقت درویش صاحب یقین ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو سبق دیتا ہے کہ وہ خود اپنی قسمت کے معمار ہیں اس لیے ان کو خود ہی تقدیر کو ساز گار بنانے کی کوشش پیہم کرتے رہنا چاہیے۔

مبتدی: سیر الی اللہ کرنے والوں کے راستوں کو پوری قوت وعزم کے ساتھ طے کرنے کے عمل کو شروع کرنے والے کو مبتدی کہتے ہیں۔

سکینہ: نورِ طمانیت جو حق تعالیٰ کی جانب سے قلب سالک پر نازل ہوتا ہے اور سلوک واطمینان کا باعث بنتا ہے۔ اور پیش خیمہ ہوتا ہے عین الیقین کا۔

مقامِ استقامت: جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت کا دروازہ کھل جاتا ہے تو سرّ یعنی باطن اللہ تعالیٰ کی عظمت کو دیکھ لیتا ہے۔ روح اس کی محبت سے چمک اٹھتی ہے۔ دل کتاب وسنت کے احکام کو مان لیتا ہے۔ اور سالک استقامت کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔

(فرمان حضرت باقی باللہؒ)

اسلام اور روحانیت اور اقبالؒ

سلوک میں سیر سے کیا مراد ہے؟

سالک کا ایک حال، مقام، فعلی یا تجلی سے دوسرے مقام، فعلی یا تجلی تک منتقل ہونے کو سیر یا طیر کہتے ہیں۔

سیر الی اللہ: اپنے شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرنا سیر الی اللہ ہے۔

الحکمۃ: کے معنٰی علم اور عقل کے ذریعے حق بات دریافت کر لینے کے ہیں اور اگر کوئی شخص اپنی راتیں فکر اور مطالعہ میں بسر کرتا ہے تو علم وفن اور حکمت کا سراغ پالیتا ہے۔

معرفت: معرفت وہ چیز ہے کہ جس کے ذریعے حق اور ناحق کا علم ہو جاتا ہے اور عارف کو بھی حق اور ناحق میں تمیز ہو جاتی ہے۔ معرفت، آتشِ شوق اور وجد ہے جبکہ ایمان نور اور عطاو بخشش ہے۔ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور عارف اللہ کی آنکھ سے۔ مومن ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محو ہے۔ اور عارف رخ یار کے مشاہدے سے شادکام ہے۔

توحید کیا ہے؟: اہل تصوف کے نزدیک توحید کا مطلب یہ ہے کہ دل یگانہ ہو جائے۔ یعنی اس کو ماسوا حق تعالیٰ سے خلاصی اور آزادی حاصل ہو جائے اور تعلق ماسوئی اللہ سے اس کا دل منقطع ہو جائے۔ ارادت ومطلب کے لحاظ سے یعنی نہ غیر اللہ کی طلب باقی رہے نہ کوئی اور مراد دل میں رہے اور حق تعالیٰ اس کا مدعا اور مقصود بن جائے اور غیر حق کا شعور باقی نہ رہے۔ جب تک آدمی دامِ ہوا وہوس دنیا میں گرفتار ہے یہ نسبت اس کے لیے دشوار ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہوس و ہوا اور حرصِ دنیا کی جو مذمت شریعت میں آئی ہے وہ اس لیے آئی ہے کہ ہوا وہوس کی وجہ سے تزکیہ نفس نہیں ہوتا اور تزکیہ نفس نہ ہو تو قرب حق حاصل نہیں ہوتا اور قرب حق اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک بندہ اپنے آپ کو مٹا کر حق تعالیٰ کی ذات میں واصل نہ ہو جائے اور بغیر فنا مقام توحید خالص حاصل نہیں ہوتا ہے۔ ایک کو مقصود بنانا اور اسی ایک ذات میں فنا اور منہمک ہو جانا غایت اور انتہائے ایمان ہے۔ (شرح لوائح جامیؒ)

حقیقتِ بیعت

اپنی جان اور اپنے مال کو خدا کے ہاتھ فروخت کر دینا اصل بیعت ہے۔ حقیقتاً سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جاں بھی اسی کی ہے۔ جسم بھی اسی کا ہے اور مال بھی اسی کا ہے...... بندہ اپنے غلط خیال سے تائب ہوتا ہے، اپنے اعضاء و جوارح کو بخوشی اور بہ رضا و رغبت اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کمربستہ ہو جاتا ہے تو اس کے بدلہ میں اللہ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ یہ بیع ہمیشہ اس برگزیدہ شخص کی وساطت سے عمل میں آتی ہے جو اس سنجیدہ اور مہتم بالشان معاملہ میں وسیلہ بننے کا مجاز ہو اور اکابرین ملت کے نزدیک وسیلہ سے توسّلِ مرشد مراد ہے۔ بیعت کی اقسام، ضرورت مرشد، انتخاب مرشد، اوصافِ مرشد، تجدید بیعت، آداب مریدی کے بارے میں مزید جاننے کے لئے کتبِ تصوف سے استفادہ حاصل کریں۔

(بیعت کی تشکیل اور تربیت از پیر عبداللطیف خاں بے حد مفید کتاب ہے)

توجہ اور اس کی اقسام: صوفیائے کرام نے توجہ اور تصرف کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔

(۱)۔توجہ انعکاسی (۲)۔توجہ القائی (۳)۔توجہ اتحادی

(۱)۔توجہ انعاسی: جیسے مجلس کا عطر وغیرہ کی خوشبو پانا توجہ انعکاسی کے مشابہ ہے۔ یہ توجہ وقتی اور عارضی ہوتی ہے اس قسم کا اثر تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے اس لئے یہ توجہ اگرچہ ضعیف ہوتی ہے لیکن فائدہ سے خالی نہیں۔

(۲)۔توجہ القائی: اس توجہ کی مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی شخص دیئے میں بتی اور تیل ڈال کر لایا تو دوسرے نے آگ لگا کر روشن کر دیا یہ تاثیر کچھ طاقت رکھتی ہے اور کچھ دیر اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ لیکن جب کوئی بیرونی صدمہ پہنچے مثلاً آندھی، بارش وغیرہ تو اس کا اثر جاتا رہتا ہے۔ اس لئے یہ توجہ کسی حد تک مفید ضرور ہوتی ہے لیکن لطائف کی مکمل اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس سے مرید صادق کو شیخ مجاہدے

کی طرف لے آتا ہے اور مجاہدے کے بغیر اس کا گذارا نہیں ہوتا۔

(۳)۔توجہ اتحادی: یہ توجہ سب سے قوی ہوتی ہے اس میں شیخ کامل اپنی پوری ہمت صرف کر کے اپنی روح کے کمالات طالبِ حق کی روح میں القا کر دیتا ہے۔اس طرح دونوں روحیں باہم جذب ہو جاتی ہیں، اگر شیخ کامل ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ دل گندہ ہے بس وہ نظر فرما کر اپنے قابل بنالیتا ہے کسی عارف نے کیا خوب کہا:

صدقے میں اس نظر کے کایا پلٹ دی میری　　　تاریکیاں مٹا کر دل کو جلا دیا ہے

(اسرار گوہر)

سیر فی اللہ، سیر الی اللہ

سیر فی اللہ کو مقام وصول کہا جاتا ہے۔سیر الی اللہ میں عاشق (سالک) کی سیر بجانب معشوق ہوتی ہے اور سیر فی اللہ میں معشوق کی عاشق کی طرف سیر ہوتی ہے۔یہ اوصاف صفاتِ بشریت کے فنا ہونے اور بے اختیاری حاصل ہونے سے میسر آتے ہیں۔

محبتِ عامہ: تصوف کی ایک اصطلاح ہے یہ سالک کا ایک حال ہے کہ جلوۂ الٰہی کا ظہور ہر جگہ نظر آتا ہے اور طبیعت بے اختیار محبت پر اُمڈ آتی ہے۔

مقام رضا: سالک جب مقام رضا پر پہنچتا ہے تو ہر کام میں محبوب حقیقی (باری تعالیٰ) کی حکمت نظر آتی ہے۔اس لیے تکالیف اور راحتوں میں کیفیت یکساں رہتی ہے۔

تقدیر معلق، تقدیر مبرم: تقدیر کی دو اقسام ہیں اول معلق جو بعض ذرائع اور وسائل سے ٹل سکتی ہے۔دوسری مبرم یہ ایسا نوشتہ ہے کہ ٹل نہیں سکتا، ہو کے رہتا ہے۔

مصلحتِ تکوینی

قدرتِ کاملہ نے ہر انسان کو کسی خاص مصلحتِ تکوینی کے لیے بنایا ہے۔ اور اس مقام سے پہلے پہلے جس جس مقام پر لے جاتا ہے وہاں کے کچھ مشاہدات، کچھ تجربات اور کچھ مخفی مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ جن کو قدرت اپنی محبت اور اپنی ولایت کے لئے منتخب فرما لیتی ہے نیچے کا کوئی مقام اور کوئی منزل اسے راس نہیں آتی اور بسا اوقات وہاں ناکامی کی صورت پیدا کر دی جاتی ہے۔ گو ناکامی سے دل پر ضرب پڑتی ہے لیکن دل کا ٹوٹنا، دنیا سے مایوسیوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور دنیا سے مایوسی ہی معرفت کا حرف اول ہے۔ جب تک ذہن میں دنیا کی اپنی اصلی صورت نہ آئے گی تب تک اس کو کون چھوڑ سکتا ہے اور تبتل اور انقطاع کے بغیر معرفت الٰہی کے راستے کیسے طے ہو سکتے ہیں۔ قدرت اپنے خاص الخاص منتخب بندوں کو اپنی مشیت کے تحت ان حالات سے دوچار کرتی ہے۔ تب ان کو اعلیٰ روحانی مراتب نصیب ہوتے ہیں۔ قدرت کے تمام امور حکمت بھرے ہوتے ہیں۔ (انقلاب الحقیقت)

نسبت القائیہ: وہ نسبت ہے جو ولی اللہ کسی خاص وقت میں اپنے خاص تصرف سے کسی خوش قسمت اور سعادت مند دل میں ڈال دے۔ اس نسبت سے فوری تبدیلی عمل میں آجاتی ہے۔ اگر نسبت حاصل کرنے والا صاحب استعدادِ کامل ہے تو ولایت کا کمال ایک القاء سے حاصل ہو جاتا ہے۔

(انقلاب الحقیقت)

عالم ناسوت، عالم ملکوت، عالم جبروت، عالم لاہوت

عالم ناسوت: اس میں یہ چیزیں شامل ہیں زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، سمندر، فضا، خشکی، جن، بشر، حیوان اور ساری کائنات۔

عالم ملکوت: اس عالم میں ارواح اور ملائکہ ہیں۔

عالم جبروت: اس میں تجلیات اور انوار قدرت الٰہیہ ہیں۔

عالم لاہوت: جہاں خود ذات حق اپنی تمام شانوں، عظمتوں، رفعتوں، کمالات جلالیہ اور کمالاتِ جمالیہ اور وصف حمدیہ واحدیت کے ساتھ موجود ہے۔

حقیقتِ توحید

توحید یہ ہے کہ خدا کی محبت کے سوابندے کے دل سے ہر چیز کی محبت ختم ہو جائے اور اس کا معبود اور مقصود صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی ذاتِ حق ہو اور اس کی خوشنودی کا حصول اس کی مراد (طلب) ہو یعنی ماسوا اللہ کا نام توحید ہے۔

(اویس الوقت خواجہ گوہر الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ)

طے الارض: صوفیاء کے نزدیک طے الارض کا مسئلہ مشہور اور عام ہے۔ فتح باطنی (مقام بقاء) حاصل ہونے کے بعد یا تو انسان صاحبِ ارشاد ہو کر مخلوقات کی تبلیغ پر مامور ہوتا ہے تو وہ اپنی باطنی فتح سے حقیقی جسم کو جہاں چاہے لے جاتا ہے...... یا خود وہیں رہتے ہیں اور اپنے باطنی لطیف نوری جثہ (جسم مثالی) کو جہاں چاہیں بھیج دیتے ہیں یا فتح باطنی حاصل ہونے کے بعد "باطنی روحانی محکمہ" میں کسی عہدہ پر متعین ہو جاتا ہے۔ اپنے وجودوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اور وہاں جا کر عوام کی امداد

اور دوسرے کام سرانجام دینا اس کی ڈیوٹی میں داخل ہوتا ہے۔ جس سے ان کے ظاہری عنصری وجود تو انسان کے سامنے کام کرتے ہیں اور باطنی وجود دوسرے شہروں میں پہنچ کر اپنی ڈیوٹی دیتے ہیں جیسے غوث، قطب، ابدال وغیرہ۔

(دعوتِ ارواح)

نفحات: فیض جو مبداءِ فیاض کی جانب سے قلبِ سالک پر وارد ہو اور روحِ سالک کو قدسی خوشبیوں سے معطر کر دیں۔

نفس: کسی چیز کی ذات کو اس کا نفس کہتے ہیں۔

وجود: ہستی، ذات کو کہتے ہیں۔

وجودِ مکتسب: کامل اولیاء اللہ کو بعض صورتوں میں بعد اکتساب (مجاہدات روحانی) کے ایک خاص نوعیت ولطافت وقوت کی "صورت مثالی" عطا فرمائی جاتی ہے۔ جو صورتاً بدن عنصری کے مشابہ اور لطافت میں روح کے قریب قریب ہوتی ہے اور قوت میں عوام کی صورت مثالی سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔

نوٹ: صورت مثالی پر راقم الحروف کی کتاب "جسم مثالی کے کمالات" دیکھیں۔

استدراج: استدراج ان خوارق عادات یا کرامات کو کہتے ہیں جو غیر مسلم جوگیوں وغیرہ سے سرزد ہوتے ہیں جن سے سالک کی صحیح راہنمائی نہیں ہوتی کیونکہ کلمہ طیبہ اور شرع متبرکہ کی برکات سے خالی ہوتے ہیں۔

عالم حکمت، عالم قدس: عالم حکمت سے مراد ہماری یہی ناسوتی دنیا ہے جس میں علت و معلول (Cause and Effect) کا قانون چلتا ہے لیکن عالم قدس عالم قدرت کہلاتا ہے۔ جہاں کسی کام کے لیے علت یا سبب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہوتا ہے فوراً بلا سبب اور بلا چوں وچراں پورا ہو جاتا ہے۔

برزخِ شیخ: برزخ شیخ کا مطلب یہ ہے کہ سالک تصور میں اپنے آپ کو اپنے شیخ کی صورت میں دیکھتا ہے

طوالع، لوامع: انوارِ توحید جو عارفوں کے دلوں میں طلوع ہوتے ہیں اور انوار سابقہ کو مخفی کر دیتے ہیں۔ وہ کیفیات وتجلیات جو اسماء الٰہیہ کے مبادیات میں سالک کے باطن میں پیدا ہوتی ہیں اور اس کے اخلاق واوصاف کو نورِ باطن سے منور کر دیتی ہیں۔

قبض وبسط: تصوف میں وارداتِ قلبی کے بند ہو جانے کو قبض اور ان کے دوبارہ جاری ہو جانے کو بسط کہتے ہیں۔

قُرب وبُعد: صفات الٰہی سے متصف ہونا، حجابات خودی اٹھنے کو قرب کہتے ہیں۔ لذاتِ نفسانی میں گرفتار رہ کر مبداءِ حقیقی سے دوری اور حقیقتِ حال سے بے خبری میں رہنا بُعد ہے۔

قلب: صوفیاء کی اصلاح میں قلب ایک جوہر نورانی ہے۔ انسانیت کا دارومدار اسی قلب پر ہے۔ روح اس کا باطن ہے۔ بندہ کا قلب اللہ کا عرش ہے جس میں حق تعالیٰ بالذات ظاہر ہوتا ہے۔

مبداء: لغت میں جائے آغاز اور جائے ظہور کو کہتے ہیں۔

معاد: انجام اور جائے انجام کو کہتے ہیں۔ حقیقت کے لحاظ سے ہر چیز کا مبداء حق تعالیٰ ہے۔

خالص توحید: عالم میں جو کچھ رونما ہوتا ہے، سب اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیت سے ہے، حقیقتاً اس کے سوا کوئی قادر متصرف بالذات نہیں ہے۔

توحید فی الافعال: خداوند قدوس کے تصرف واختیار کے سوا بندہ کو کچھ نظر آتا ہی نہیں، اسے توحید فی الافعال کہتے ہیں اور پھر جب بندہ میں نور معرفت تابندہ ہوتا ہے تو اس کی ہر عبادت وخصلت امر الٰہی اور اذنِ خداوندی کے تابع ہو جاتی ہے۔ (شروع الغیب شرح فتوح الغیب)

(۱)۔ سیر الی اللہ: سلوک وطریقت کی تمام راہیں جو سیر الی اللہ کے لیے ہیں وہ فنا سے ہی ہیں اور

ولایت کا دروازہ جس سے شہرِ ولایت میں داخل ہوتے ہیں وہ فنا ہی ہے اور یہی معنیٰ "انتہا" کے ہیں۔ اور منتہی وہ ہے جو وہاں تک پہنچ جائے اور جب اس مقام تک کوئی پہنچا وہ زیورِ کمال سے آراستہ ہو جاتا ہے۔

(۲)۔ سیر فی اللہ: فناء کے بعد مقامِ بقاء ہے جو ابتدائے سیر فی اللہ ہے۔ اس مقام میں تجلیات، صفات باری سے تربیت پاکر مرتبہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔

(۳)۔ سیر من اللہ: مقام بقاء حاصل ہو جانے کے بعد سیر من اللہ ہے جو تکمیل ناقصاں کے لیے اس مقام سے نیچے آتا ہے۔ اس کے بعد (مرتبہ آخر میں) سیر الی اللہ اور خلق سے علی الاطلاق انقطاع کر کے رفیق اعلیٰ کو اختیار کرتا ہے۔

مقام علیّین: یہ مرتبہ و مقام ہے۔ بعض کے نزدیک ساتویں آسمان کا نام ہے۔ یا دیوان و دفتر ملائکہ حفظ جو وہ اٹھائے ہوئے ہیں اس کا نام ہے۔ اس میں صالحین کے اعمال ثبت ہیں اور قاموس میں ہے کہ علیون جمع علی کی ہے۔ جو آسمانِ ہفتم میں ہے، جہاں مومنین کی روحیں چڑھائی جاتی ہیں۔

(شروع الغیب ترجمہ فتوح الغیب)

☆☆☆☆☆☆

سلوک الی اللہ

اَلطُّرُقُ اِلَی اللّٰهِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ

(یعنی اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہیں جتنے کہ مخلوقات کے سانس)

سلوک الی اللہ

یعنی حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کا کورس یا طریقہ:

سلوک کے لفظی معنیٰ ہیں راستہ کے، لفظ مذہب کے معنیٰ بھی راستہ کے ہیں اور شرع یا شریعت کا مطلب بھی راستہ ہے۔ اس لیے تصوف کی اصطلاح سلوک الی اللہ کوئی انوکھی چیز نہیں۔ اس کا مطلب اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆

راہِ سلوک کا ابتدائی مقام

طالبانِ راہِ حق کی طبائع میں بہت کچھ اختلاف ہوتا ہے اور سب کو ایک ہی لکڑی سے نہیں ہانکا جا سکتا۔ شیخ طبیب دل ہوتا ہے اور مریض کی طبیعت پر نظر کر کے اور نوعیتِ مرض کو دیکھ کر اس کا علاج کرتا ہے اور اس کے مناسبِ حال نسخہ اس کے لیے تجویز کرتا ہے۔ اس لیے سلوک کے طریقے بے تعداد ہیں۔ **اَلطُّرُقُ اِلَی اللّٰہِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ** لیکن تین طریقے زیادہ عام اور اقرب ہیں۔

طریقِ اخیار:

کثرت صوم وصلوٰۃ وتلاوت وحج وجہاد وغیرہ کے ذریعہ منزل مقصود پر پہنچنا۔

طریق اصحابِ مجاہدات وریاضات:

اخلاقِ ذمیمہ کو جدوجہد اور محنت وکوشش اور ریاضت ومجاہدہ سے اخلاقِ حمیدہ میں تبدیل کرنا اور اس طور پر عالمِ علوی سے مناسبت پیدا کر کے اپنا راستہ طے کرنا۔

طریق اصحابِ شطاریہ:

ریاضت سے گریز، صحبتِ خلق سے پرہیز، ماسوٰی سے بیزاری، درد واشتیاق، ذوق وشوق اور ذکر وفکر کے علاوہ کسی اور شغل سے سروکار نہ رکھنا اس طریقہ کی خصوصیت ہے۔ اول الذکر دونوں طریقوں کے مقابلہ میں وصول الی اللہ کا یہ طریقہ زیادہ اقرب وقوی ہے۔ کامیابی کے لیے کششِ ربانی نہایت ضروری ہے۔ لیکن اس عنایتِ الٰہی سے وہی نوازے جاتے ہیں جو اس راستہ میں جدوجہد کرتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا...... (العنکبوت:۲۹:۶۹)

''اور جن لوگوں نے محنت کی بیچ راہ ہماری کے البتہ دکھا دیں گے ہم ان کو راہ اپنی''۔

مندرجہ ذیل دائرہ سے سلوک کی ابتدائی، درمیانی اور انتہائی منازل کے متعلق کسی قدر اجمالی معلومات اور اصلاحی تفہیم میں مدد ملے گی۔
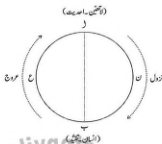
ب اس دائرہ میں مبتدی کا مقام ہے۔ جب سالک پورے دائرہ کو طے کر کے پھر اسی مقام پر آ جاتا ہے تو وہی ب منتہی کا مقام ہو جاتا ہے۔ اَلنِّھَایَۃُ رُجُوعٌ اِلَی الْبِدَایَۃِ سے اسی امر کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ دائرہ میں ب کے مقابل سب سے اونچا مقام (ا (الف) ہے۔ قوس ب ع ا عروجی راستہ ہے (یعنی لاتعین تک پہنچنے کا۔ یہاں پہنچ کر سالک سکر، بیخودی، فنا اور فناء الفناء سے آشنا ہوتا ہے۔ گو دائرہ میں یہ سب سے اونچا مقام ہے، مگر سلوک میں یہ انتہائی مقام نہیں۔ فنائیت مرتبہ کمال نہیں۔ بلکہ کمالِ بقاء بعد الفناء جسے بقاء باللہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اطلاق تک پہنچنے سے قبل سالک اشیاء کو من کل الوجوہ غیر دیکھتا تھا اور سیر ماسوئی میں اپنے کو مشغول پاتا تھا۔ سکر و استغراق میں پہنچ کر اسے نہ کثرتِ حقیقی نظر آتی ہے نہ کثرت مجازی۔ حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ آئینہ کثرت میں وہ وحدت دیکھے اور کثرت حجابِ وحدت نہ ہونے پائے۔ خلق کو حق میں اور حق کو خلق میں دیکھے۔ یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ مبداء یعنی ب سے چل کر سالک مقام اطلاق (پر پہنچے اور اسے سیر نزولی اختیار کر کے قوس ا ب ن طے کرتا ہوا پھر آغاز و تقید (یعنی ب) پر آئے اور مثلِ سابق مقام عبودیت و متابعت میں پہنچے۔ سلوک کی تکمیل اسی مقام پر ہوتی ہے۔ اسی مقام پر پہنچ کر سالک کے سر پر خلافت کا تاج پہنایا جاتا ہے اور ناقصوں کی تکمیل کی خدمت اس کے سپرد کی جاتی ہے۔ سکر سے نکل کر صحو میں آتا ہے اور مقامِ تمکین و تعین دونوں میں متمکن ہو کر خلیفہ حق اور ہادی و رہنما بنتا ہے۔ (سرِّ دلبراں)

قرآنی منہاجِ روحانیت

راہ انابت اور راہ اجابت

فرمان الٰہی کے مطابق راہ انابت کے مسافر وہ لوگ ہیں جنہیں صرف راستہ دکھا دیا جاتا ہے۔ جبکہ راہ اجابت پر چلنے والے کو منزل کی طرف بلایا جاتا ہے۔

راہ انابت والوں کے ساتھ عدل کا اور اجابت والوں کے ساتھ فضل کا معاملہ ہے۔ یہ دونوں اللہ کے معاملے ہیں۔ اس پر کسی کا زور نہیں وہ جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے! عدل کا تعلق طریق زہد کے ساتھ ہے یعنی آپ جتنی محنت کریں گے اتنا راستہ طے ہوگا اور مسافتیں کم ہوتی چلی جائیں گی مگر فضل بطریق عشق ہے۔ عشق کی سواری پر چلنے والے خوش نصیب جب ایک قدم اٹھاتے ہیں تو ساری مسافتیں ان کے لیے خود بخود طے ہو جاتی ہیں یہاں راستہ آسان اور مختصر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اول الذکر منیب ہوتے ہیں اور دوسرا طبقہ مجتبیٰ کہلاتا ہے۔ قرآن حکیم اس کی نشان دہی یوں کر رہا ہے۔

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوریٰ، ۴۲:۱۳)

''اللہ ہی جس کو چاہتا ہے (اسے راہِ حق کے لئے) منتخب فرماتا ہے اور ہر شخص جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

اگر اس آیت کریمہ پر غور کریں تو آیت کریمہ کے پہلے حصہ میں اجابت کے فعل کا ذکر ہے اور اس میں فاعل خود اللہ ہے اس کے بعد انابت کے راستے کا بیان ہو رہا ہے جس میں فاعل بندہ ہے اور اللہ جل مجدہٗ چن لیتے ہیں جسے چاہتے ہیں۔ **یجتبی** کا فاعل اور **یشآء** کا فاعل ہر دو جگہ اللہ ہے۔ یعنی چنتے بھی اللہ تعالیٰ ہیں اور پہنچاتے بھی وہی ہیں۔ بندے کا ذکر ہی نہیں نہ یہ بندے کا کام ہے نہ بندے کی مجال نہ اس کی کوشش اور نہ اس کی کاوش۔ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

سب وچ توں ایں، سب کچھ توں ایں، توں سب توں پاک پچھانا
میں وچ توں ایں، توں وچ توں ایں، ایتھے بلھاؒ کون نمانا

یعنی طریق عشق میں اپنی ہستی کو ختم کر کے بندہ خود راستے سے ہٹ جاتا ہے اور درمیان میں کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ خود ہی چن کر اپنے ساتھ ملا دیتے ہیں، بندے کا تو ارادہ بھی شامل نہیں ہوتا۔ **یجتبی** میں بھی ارادہ اللہ کا ہے اور **یشاء** میں بھی ارادہ اللہ کا ہے۔ مگر زہد والے راستے میں محنت بندہ کرتا ہے یعنی جو بندہ اس کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہے اللہ اس کو ہدایت عطا کرتے ہیں اور راستہ دکھاتے ہیں وہاں چل کر پہنچنا بندے کا کام ہے۔ کیونکہ منیب کا فاعل بندہ ہے۔

(فسادِ قلب اور اس کا علاج)

راہِ طریقت اور فیضانِ مراقبہ

مراقبہ کسے کہتے ہیں:

حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا ''حضور مراقبہ کسے کہتے ہیں''۔ آپ نے جواب میں ایک آسان طریقہ فرمایا۔ ''محبوب کی آمد کے وقت سراپا انتظار میں رہنا ہی مراقبہ ہے''۔ پوچھا گیا کہ آپ کو یہ طریقہ کیسے ملا۔ آپ نے فرمایا میں نے ایک مرتبہ بلی کو شکار کرتے ہوئے دیکھا تھا کہ جب بلی شکار کے لئے تیار ہو جائے تو پھر وہ اپنے دو پاؤں پر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور دو کو اٹھا لیتی ہے اور سانس روک لیتی ہے۔ وزن برابر کر لیتی ہے۔ نہ سانس کو حرکت دے نہ مزاج میں جنبش آئے۔ نگاہ ایک مرکز پر رہتی ہے۔ جونہی شکار اس کی نرغے میں آئے چشمِ زدن میں جھپٹ کر پکڑ لیتی ہے۔ تو میں نے اپنے آپ کو کہا کہ یہ دو عالم سے بے نیاز ہو کر دو پاؤں پر وزن رکھ کر سانس روک کر اپنے شکار کے لئے اتنی منہمک ہو جاتی ہے کہ وہ ہر ایک سے بے نیاز ہو گئی۔ لہٰذا مجھے معلوم ہوا کہ دو عالم سے بے نیاز ہو کر اسی کا ہو کر رہنے کا نام انتظار ہے۔ (سبحان اللہ) تو لہٰذا میں نے بھی مراقبہ سیکھ لیا۔ مراقبہ کرنا ہو تو آنکھ بند کرو، کیونکہ یہ ایک ایسا دروازہ ہے کہ ہر شے اس میں سے اندر چلی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا

دروازہ ہے کہ جو شے دیکھتے جاؤ اندر داخل ہو جاتی ہے پھر جو چیز اندر جائے گی مزاج بدلے گا۔ جیسی شے نظر آئے گی خیال اس کے ساتھ ہو جائے گا۔

دل کے اس دروازے کو بند ہی کرو کہ کوئی شے اندر ہی نہ آئے۔ آپ سمجھ گئے؟ بند کرو اس دروازے کو کہ کوئی شے باہر کی اندر نہ آئے۔ (سبحان اللہ) روک لو سانس اپنا۔ قابو کر لو مزاج اپنا۔ اب یار کی آمد کا وقت ہے۔ دروازے پر نظر رکھو۔ کب کھلتا ہے کہ وہ اندر آ جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی آمد کا وقت ہو اور مجھے غافل پا کر واپس چلا جائے۔ بہتر ہے کہ مراقبہ میں رہو۔ چنانچہ صوفیا مراقبہ ایسے ہی وقتوں پر کرتے ہیں کہ کوئی آواز دینے والا بھی نہ ہو۔ پچھلے پہر سر جھکا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ تیری آمد کا وقت ہے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

کیا آپ کو یہ بھی پتہ ہے کہ گلاب کی کلی کھل کر کس وقت پھول بنتی ہے؟ میں دعوے کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ آج تک آپ نے اپنے صحن چمن میں، صحن مکان میں کتنے پودے گلاب کے لگائے ہوں گے مگر کلی کو پھول بنتے نہ دیکھا ہوگا۔ یا کلی دیکھی یا پھول دیکھا۔ رات کو کلی تھی۔ صبح اٹھے تو پھول تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک خاص وقت ہے جب بادِ نسیم کے باریک لطیف جھونکے چلتے ہیں تو جس جس کلی میں پھول بننے کی صلاحیت ہوتی ہے وہ بادِ نسیم اس کو پھول بنا کر گزر جاتی ہے۔ (سبحان اللہ)

اسی طرح سحر کے وقت گنبدِ خضراء سے ایک ہوا چلتی ہے۔ کرم کی ہوا چلتی ہے۔ عنایت کی ہوا چلتی ہے۔ نورِ نبوت کی بہاروں میں سے ایک جھونکا چلتا ہے۔ جس کا سحری کے وقت گزر ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنے دل کی کلی کو سجا کر رکھتے ہیں وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کدھر سے وہ ہوا آتی ہے اور دل کو عرش الٰہی بنا دیتی ہے۔ بیدار رہو۔ بیدار رہو۔ بیدار۔ آنکھیں کھولنے کا نام بیداری نہیں ہے۔ دل کو سوئے محبوب قائم رکھنے کا نام بیداری ہے۔

بیدار رہو، بیدار اور یہی ذکر کا مدعا بھی ہے کہ تم بیدار ہو جاؤ۔ کیوں کہ سوئے ہوئے کو ماں

بھی اپنے سینے کے ساتھ نہیں لگاتی تو غافل کو خداوند کریم اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے اپنے دامن میں جگہ دیں گے۔ (سبحان اللہ)

یاد رکھو کہ بچہ جب سو جائے تو ماں اٹھا کر دور رکھ دیتی ہے۔ رونے لگے تو اٹھا کر سینے سے لگا لیتی ہے۔ اے ہجر میں بچھڑے ہوئے لوگو! رونا شروع کر دو کہ رحمتِ حق سینے سے لگا لے۔ بیداری اچھی ہے غفلت اچھی نہیں ہے۔ آخری بات یہی ہے کہ **فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ** تم اس کے ہو جاؤ تا کہ وہ تمہارا ہو جائے اللہ تعالیٰ ہم کو ایسے ذکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بیعت کی تشکیل اور تربیت)

مقاماتِ عشرہ

تعلیمِ تصوف کے مقاماتِ عشرہ جن پر عمل پیرا ہونے سے ہی حقیقی طور پر فیضان روحانیت کا حصول ممکن ہوتا ہے۔

1- توبہ: دل میں ندامت کا پیدا ہونا اور گناہ سے طبعی نفرت کا ہونا۔ صرف زبان سے توبہ و استغفار کا رٹنا اور دل کا اس سے غافل رہنا یا دل میں معصیت کی حسرت کا پوشیدہ ہونا اس باب الابواب کے کھلوانے کے لیے کافی نہیں۔

2- انابت: اس توبہ کو کہتے ہیں جس میں ایسی ندامت ہو جس سے دل میں نیکی کی جانب رغبت پیدا ہو جائے۔

3- زہد: زہد دراصل تھوڑی چیز پر قناعت کرنے کو کہتے ہیں اس لیے زاہد عام طور پر اسے کہتے ہیں جو بقدر ضرورت تھوڑی دنیا پر قناعت کرے۔

4- قناعت: قناعت یہ کہ انسان کی قسمت میں جو رزق لکھا ہے اس پر اس کا نفس راضی رہے۔

5-ورع: انسان کے حسنِ اسلام میں سے یہ بات بھی ہے کہ بے مقصد کام چھوڑ دے۔ ورع، زہد کا آغاز ہے جس طرح قناعت، رضا کا ایک کنارہ ہے۔ باطن کا ورع یہ ہے کہ تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی داخل نہ ہو۔

6-صبر: کسی معاملے میں خالق کی مخلوق سے نہ تو زبان سے شکایت کرنا، نہ دل میں اس شکایت کا پیدا ہونے دینا صبر ہے۔

7-شکر: شکر حقیقی ایک کیفیت ہے جو نعمت کو منعم سے منسوب کرنے اور اس نعمت کو منعم کی مرضی کے مطابق صرف کرنے سے سالک کے قلب میں لذت و سرور کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔

8-توکل: خدا پر بھروسہ کرنا اور اپنے جملہ امور خدا کے سپرد کر دینا توکل ہے۔

9-10-تسلیم و رضا: تسلیم و رضا میں فرق یہ ہے کہ تسلیم قضا سے پہلی ہوتی ہے۔ اور رضا کا وقوع قضا کے بعد ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

برکاتِ ذکرِ الٰہی

حقیقتِ ذکرِ الٰہی: ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ انسان میدانِ غفلت سے نکل کر فضائے مشاہدہ میں پرواز کرے۔ **مشاہدہ**، تجلی ذات میں ہوتا ہے اور **مکاشفہ** تجلی صفات میں، **محاضرہ** تجلی افعال میں ہوتا ہے۔ محاضرہ سے مراد قدرتِ الٰہی کی نشانیاں دیکھ کر حق تعالیٰ کے حضور کی کیفیت کا قلب میں پیدا ہونا ہے۔ لسانی ذکر (یعنی زبان سے ذکر کرنا) سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ تمام روحانی وجسمانی قویٰ خصوصاً دل و دماغ) کی توجہ مبذول ہو۔ اور نفی خاطر میسر ہو۔ اس مکمل توجہ اور ذکر لسانی پر مداومت سے ذکر...... سالک کے دل میں اتر جاتا ہے۔ اور زبان کے الفاظ دل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں اور ذکر قلبی کی ہمیشگی سے انوارِ الٰہیہ سے ایک نور ظاہر ہوتا ہے جو انسان کے باطن کو تجلیات صفاتی اور اسمائے الٰہی کا مظہر بنا دیتا ہے اور پھر اسے تجلیاتِ ذات کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جب وہ اس حقیقت (برکاتِ ذکرِ الٰہی) کو پالیتا ہے تو اپنے آپ کو اور دوسری تمام چیزوں کو بھول جاتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی باقی رہ جاتی ہے۔ اس حالت کو فنا اور نیستی کہا جاتا ہے۔ پھر اس پر عالم ملکوت کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ انبیاء کرام کی ارواح اور ملائکہ کے جواہر پاکیزہ صورتوں میں نظر آنے لگتے ہیں۔ احوال عظیم ظہور ہونا شروع ہو جاتے ہیں کہ انہیں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہر مقام پر ایک نئی چیز ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اس کیفیت کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ راستہ چلنے کے لیے ہے۔ کہنے یا تحریر کے لئے نہیں ہے۔

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ۝

راہِ سلوک اور لطائف ستّہ

لطائف ستّہ : یہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا احسان عظیم ہے کہ ان تمام عوالم (جمع عالم) کی حقیقت کو سمجھنے اور ذاتِ حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اس نے انسان کے جسم میں بھی پانچ حواس (حواسِ خمسہ) اور چھٹی باطنی حس کی طرح انسان کے روح میں بھی چھ حواس پیدا فرمائے ہیں جن کا تعلق باطنی عوامل سے ہے اور ذاتِ حق کی طرف عروجی سفر کے لیے زینہ کا کام دیتے ہیں۔ ان چھ حواس کو لطائف ستہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ **لطیفۂ نفس:** جس کا مقام زیر ناف ہے اس کے نور کا رنگ زرد ہے اور زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام ہے۔

۲۔ **لطیفۂ قلب** ہے۔ یہ بائیں پستان سے دو انگشت نیچے ہے۔ اس کے نور کا رنگ سرخ ہے۔ اور یہ بھی زیر قدم آدم علیہ السلام ہے۔

۳۔ **لطیفۂ روح** ہے اس کا مقام دایاں سینہ ہے اور دائیں پستان سے دو انگلی نیچے ہے۔ اس کا رنگ سفید ہے زیر قدم حضرت نوح علیہ السلام ہے۔

۴۔ **لطیفۂ سِرّ** ہے جس کا مقام لطیفہ قلب و روح کے درمیان وسط سینہ ہے۔ نور کا رنگ سبز اور زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام ہے۔

۵۔ **لطیفہ خفی** ہے جس کا مقام وسطِ پیشانی ہے۔ نور کا رنگ نیلگوں ہے اور زیر قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ یہ مقام اتصال ہے جسم اور روح کے درمیان عالم قدس سے فیضان پہلے اس لطیفہ پر نازل ہوتا ہے پھر دیگر لطائف میں تقسیم ہوتا ہے۔ روح جسدِ انسانی میں پہلے اسی لطیفہ سے داخل ہوتی ہے اور سب سے بعد اسی لطیفہ سے خارج ہوتی ہے۔

۶۔ **لطیفہ اخفیٰ** ہے جس کا مقام اُم الدِّماغ یعنی سر کی چوٹی ہے۔ نور کا رنگ سیاہ ہے اور زیر

قدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے۔

ان لطائف پر مختلف اسمائے الٰہی کی ضربیں لگانے سے ان میں ذکر اللہ جاری ہو جاتا ہے۔ جس سے پورا گھر (وجود) منور ہو جاتا ہے۔ بعض ان سب لطائف میں ذکر اللہ جاری ہونے کو **سلطان الاذکار** کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان کے زندہ ہونے سے قوتِ پرواز حاصل ہوتی ہے۔ اور قرب الی اللہ اور وصول الی اللہ میں ترقی ہوتی ہے۔ اور درجہ بدرجہ عالم مثال، عالم ارواح، عالم جبروت اور لاہوت میں پرواز کے بعد مقامات فنا فی اللہ اور بقا باللہ حاصل ہوتے ہیں۔ **ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ** یعنی فضل اللہ شرط اول ہے۔ اللہ کی رحمت اور نظر عنایت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ نظر شفقت ہو جائے تو بیڑہ پار ہے اور اس کی رحمت اس قدر وسیع ہے کہ نظر شفقت ضرور ہوتی ہے حق تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ جو شخص میری طرف ایک بالشت آتا ہے تو میں اس کی طرف دو بالشت جاتا ہوں اور جو ایک ہاتھ آگے آتا ہے میں دو ہاتھ جاتا ہوں اور جو چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ اب بتایئے کہ اس سے زیادہ شفقت کیا ہو سکتی ہے۔ (روحانیتِ اسلام)

☆☆☆☆☆☆☆☆

کیفیت کلمات مصطلحات حضرات عالیہ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ

ہوش در دم، نظر بر قدم، سفر در وطن، خلوت در انجمن، یاد کرد، بازگشت، نگہداشت، یادداشت، وقوفِ عددی، وقوفِ زمانی، وقوفِ قلبی کہ یہ سب گیارہ کلمے معمول ہوتے ہیں،

ہوش در دم:

یہ ہے کہ ہر سانس، جو کہ اندر سے باہر آئے، چاہیے، کہ حضور اور آگاہی کے ساتھ ہو، اور اس میں غفلت راہ نہ پائے، حضرت مولانا کاشغری قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہوش در دم یعنی ایک سانس سے دوسری سانس کے وقفہ میں غفلت نہ ہو، اور حضوری حاصل ہو، اور جو سانس بھی لے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو۔

نظر بر قدم:

یہ ہے کہ سالک راہ میں چلتے پھرتے خواہ شہر ہو یا جنگل، تمام جنگل اپنی نظر پشتِ پا پر رکھے، تاکہ اس کی نظر نہ بھٹکے، اور جس جگہ کہ یہ ہو، نہ ہٹے۔ حسبِ آیت کریمہ.....''اور مت چلو زمین پر اکڑ کر'' اور 'ناظر' اس معنی میں ہے کہ نظر برقدم اشارہ ہے سالک کی سرعتِ رفتار کی طرف، جس سے وہ ہستی کی مسافت اور خود پرستی کی دشوار گھاٹی طے کرتا ہے، یعنی نظر کی انتہا (منزلِ مقصود) پر اس کا قدم پڑتا ہے۔

سفر در وطن:

یہ ہے کہ سالک بشری حالت سے سفر کرے، یعنی صفاتِ بشری سے ملکوتی صفات اور صفات ذمیمہ سے صفاتِ حمیدہ کی طرف آئے۔ بحکم اللہ۔''اللہ کے اخلاق پیدا کرو''۔ حضرت مولانا سعد الدین کاشغری قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں، کہ خبیث شخص جہاں کہیں بھی جائے، اس کی خباثت زائل نہیں ہوتی، جب تک کہ اپنی خباثت کو چھوڑ نہ دے۔

خلوت در انجمن:

حضرت خواجہ بہاؤ الدین قدس اللہ سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا آپ کے طریقے کی اصل کس

چیز پر ہے؟ فرمایا۔ ''خلوت در انجمن پر''۔ بظاہر خلق کے ساتھ ہو، مگر باطن حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ ہو...... آیات ......۔ ''اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرو، اسی کی طرف کنارہ کش ہو کر'' ...... اور...... ''لوگ ہیں، کہ انہیں غافل نہیں کرتے تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے''۔ میں اسی مقام کی طرف اشارہ ہے، خواجہ اولیاء کلاں قدس سرّہٗ نے فرمایا ہے کہ خلوت در انجمن یہ ہے کہ ذکر میں ایسا مشغول اور منہمک ہو، کہ اگر بازار میں آجائے تو کوئی بات یا آواز زبانی ذکر کے دل پر حاوی ہونیکی وجہ سے سنائی نہ دے۔

یاد کرد:

اس سے مراد زبانی یا قلبی ذکر سے غفلت کا دور کرنا ہے، بموجب حکم اللہ عزّ وجل ''اپنے پروردگار کو یاد کرو گڑ گڑا کر اور ڈر سے نہ کہ پکار کر صبح وشام، اور غافلوں میں نہ ہو''۔

حضرت مولانا سعد الدین کاشغری قدس اللہ سرّہٗ فرماتے ہیں، کہ ذکر کے سکھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اول شیخ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ** دل سے کہے، مرید اپنے دل کو متوجہ کرے اور شیخ کے مقابل رکھے، اور آنکھیں بند کر لے، دہان استوار کرے (لب بند رکھے) اور زبان تالو سے چسپاں کرے اور دانتوں کو بٹھا لے اور سانس کو روک کر نہایت تعظیم اور پوری قوت سے ذکر شروع کرے، شیخ کی موافقت کے ساتھ دل سے ذکر کرے نہ کہ زبان سے، اور سانس کے روکنے میں صبر سے کام لے، کہ ایک سانس میں تین بار کہے، چنانچہ ذکر کا اثر دل پر پہنچتا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کلمہ ''لا'' کو اوپر کی طرف کھینچے اور ''الٰہ'' پر داہنے ہاتھ کی طرف حرکت کرتے ہوئے کلمہ ''اِلَّا اللّٰہُ'' کو زور سے دل صنوبری پر مارے، چنانچہ اس کی گرمی تمام اعضاء میں پہنچ جاتی ہے اور (کلمات) نفی ادا کرتے وقت تمام محدثات کے وجود کو فنا اور ناپسندیدگی کی نظر سے مطالعہ کرنا چاہئے اور (کلمات) اثبات کی وجہ وجودِ حق سبحانہٗ کو بقا اور مقصود ہونے کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔

بازگشت:

اس سے مراد یہ ہے کہ ایک بار دل سے کلمہ طیبہ پڑھے اور اس کے پیچھے زبان سے کہے، کہ اے اللہ! میرا مقصود تیری ذات اور تیری رضا ہے، تا کہ آیہ...... ''کیا تو نے دیکھا، جس نے اپنی خواہش

کو معبود پکڑا''۔ کی وعید کی زد میں نہ آئے۔

نگہداشت:

اس سے مراد دل کے مراقبہ سے ہے۔ چنانچہ چند بار کلمہ طیبہ ایک سانس میں پڑھے، تاکہ اس کا دل متردد نہ ہو، حضرت مولانا کاشغری قدس اللہ سرہٗ اس کلمہ کے معنی یوں بیان کرتے ہیں، کہ ایک گھڑی یا دو گھڑی اور ان دو گھڑیوں سے جو بھی میسر ہو، اپنے دل کی حفاظت کرے، اور اس کے دل میں دوسرا (ماسوا اللہ) داخل نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کے اسماء وصفات سے غافل ہو کہ صرف احدیت ہی نظر میں رکھے۔ بحکم آیہ ''کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں!''

یادداشت:

اس سے مقصود یہ کہ...... حق سبحانہٗ تعالیٰ کی یاد میں اپنے ذوق کی وجہ سے ہمیشگی ہو، اور بعضوں نے اس کو مکمل حضور سے تعبیر کیا ہے۔ جس میں پردہ نہ ہو، اور محققوں کے نزدیک مشاہدہ استیلا دل پر ذاتی محبت کے توسط سے حق کا ظہور ہے کہ اس کا نام مشاہدہ ہے، اور حضرت موصوف نے مذکوہ بالا چار کلمات کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ...... ''یاد کرو'' سے مراد ذکر میں تکلف ہے۔ اور بازگشت سے مراد حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس وجہ سے کہ ہر بار جب کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے بعد دل سے کہتا ہے، کہ ''اے اللہ! میرا مقصود تو ہے!''...... اور نگہداشت سے مراد اس رجوع کی محافظت ہے بغیر زبان سے ادا کئے ہوئے، اور یادداشت سے مراد رجوع ہے، نگہداشت کی طرف...... اس لئے کہ دوام آگاہی اتنی غالب آجائے، کہ کثرتِ ذکر مزاحم اس میں نہ ہو، بلکہ اپنے وجود کا شعور (احساس) رہ جائے، اس کو فنا کہتے ہیں۔ اگر اس شعور میں بے شعوری کا شعور بھی نہ ہو، اس کو فنائے فنا کہتے ہیں اور اس کو جمع الجمع اور عین الیقین بھی کہتے ہیں۔

وقوفِ زمانی:

یہ ہے کہ سالک اپنے احوال سے واقف ہوتا ہے، کہ ہر وقت اس کی صفت اور حالت کیا

ہے، موجبِ شکر ہے یا موجب عذر، قبض کی حالت میں استغفار کرتا ہے، اور بسط کی حالت میں شکر کرتا ہے، دیگر یہ ہے، کہ سالک اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے، کہ حضوری میں ہے یا غفلت میں ہے۔ اور صوفیاء کرام قدس اللہ اسرارہم کے نزدیک وقوفِ زمانی سے مراد محاسبہ ہے۔ اور اس کی طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں اشارہ ہے۔ کہ "اپنے نفس کا محاسبہ کرو، قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے!" اور اللہ تعالیٰ کے قول کہ۔ "اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو، اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اس سے قبل کہ تم پر عذاب نازل ہو"۔ میں اشارہ ہے۔ خواجہ بہاؤ الدین قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ محاسبہ یہ ہے کہ ہر ساعت جو مجھ پر گزری ہے، محاسبہ کریں۔ کہ کونسی غفلت کی تھی، اور کونسی حضوری کی۔ جب دیکھتے ہیں کہ ضائع گئی اس کا اعادہ کرتے ہیں، اور عمل کو اور توجہ سے کرتے ہیں۔

وقوفِ عددی:

اس سے مراد ذکر میں عدد کا لحاظ رکھنا ہے، حضرت خواجہ بہاؤ الدین قدس اللہ سرّہٗ فرماتے ہیں، کہ...... ذکر قلبی میں عدد کا لحاظ منتشر خیالات کو مجتمع کرنے کے لئے ہے، ذاکر کو چاہئے کہ ایک سانس میں تین یا پانچ یا سات یا اکیس مرتبہ کہے، اور طاق عدد کو لازم قرار دے۔

وقوفِ قلبی:

یہ دو معنی پر مشتمل ہے، ایک یہ ہے کہ ذکر میں حق سبحانہٗ سے واقف و آگاہ ہو اور مقولہ یادداشت ہے، حضرت عبید اللہ احرار قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں۔ وقوفِ قلبی حق سبحانہٗ کے ساتھ آگہی اور حضوریٔ قلب سے مراد ہے اس وجہ سے کہ، دل حق سبحانہٗ کے علاوہ کسی اور دیگر چیز کے ساتھ نہیں ہوتا اور ایک جگہ فرمایا ہے کہ ذکر کے وقت مذکور (اللہ) کے ساتھ ربط اور آگاہی شرط ہے، اور اس آگاہی کو شہود، وصول، وجود، اور وقوفِ قلبی کہتے ہیں، دوسرا یہ ہے، کہ ذاکر دل سے واقف ہو، یعنی ذکر کے دوران گوشت کے اس ٹکڑے کی طرف متوجہ ہو، جو صنوبری شکل کا ہوتا ہے۔ کہ اس کو مجاز دل کہتے ہیں، اور بائیں پستان کی جانب واقع ہے۔ اور اس کو ذکر میں مشغول کرتا ہے اور اس کو نہیں چھوڑتا ہے، کہ ذکر

اور مفہوم ذکر سے غافل ہو جائے اور زائل ہو جائے۔ اس لئے، کہ ذکر کے مقصود کا خلاصہ یہی ہے۔

''تو دل کی اس طرح نگہبانی کر، جس طرح پرندہ انڈے کی نگہبانی کرتا ہے، کیونکہ بیضۂ دل کی نگہداشت سے ذکر میں تیزی اور ذوق و مستی زیادہ ہوتی ہے''۔

اور وقوفِ قلبی کی طرف اشارہ ہے، اللہ کے قول:

''اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو''۔

(کتاب العمل بالسنۃ المعروف ترتیب شریف

صفحہ ۱۷۷۷ تا ۱۷۸۴)

☆☆☆☆☆☆

شرح مقاماتِ سلوک وتصوف

گذشتہ باب میں سلوک الی اللہ کے چند طریقے بیان ہوئے۔اس میں مقامات کی شرح کا تفصیلی بیان ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ تصوف وروحانیت کے مقامات،منازل اور درجات کے حصول کا ذریعہ کیا ہے؟اس طریقہ،راستے کا بیان ہے جس پر اگر کوئی مخلص طالب مولیٰ گامزن ہو تو اسے اس کی مطلوبہ منزل مل جاتی ہے۔اس باب میں مزید یہی کچھ بیان ہوگا کہ راہ سلوک وتصوف وروحانیت کی منازل وفیوضات وبرکات کو حاصل کرنے کا راستہ کیا ہے؟واضح رہے اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچنے کے لئے کوئی ایک متعین ومخصوص راستہ نہیں ہے۔بلکہ صاحبانِ طریقت کا بیان ہے جتنی اللہ کی مخلوق ہے اتنے ہی راستے ہیں لہٰذا کسی ایک ہی راستہ پر انحصار کرنا اور دوسرے ذرائع کو ترک کرنا دانشمندی نہیں ہے۔

راہ سلوک وتصوف اختیار کرنے والے کی پہلی منزل اور طالبین روحانیت وطریقت کے مقامات میں سے پہلا مقام ''توبہ'' ہے۔گویا جس نے راہِ سلوک میں اپنے سابقہ گناہوں،غلطیوں، کوتاہیوں،غفلتوں سے توبہ کی راہ نہیں اپنائی وہ طریقت وروحانیت کی منازل کیسے طے کر سکتا ہے؟لہٰذا طالبین طریقت وروحانیت اس منزل پر گامزن ہونے کے لئے پہلے توبہ کا دروازہ کھولیں۔

توبہ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۝

(بے شک!اللہ پسند کرتا ہے،محبت کرتا ہے بہت،توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا ہے پاک وستھرے لوگوں کو)حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:ترجمہ،اللہ جل جلالہ کو توبہ کرنے والے نوجوانوں سے زیادہ کوئی شخص پسند نہیں'الجامع الصغیر'۔

بقول شاعر:۔ع

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری

کہ جوانی کی حالت میں توبہ کرنا یہ انبیاء کرام کی سنت ہے۔

توبہ کا معنی:

لغت کے مطابق حقیقتِ توبہ ''رجوع'' ہے کہا جاتا ہے

''تَابَ''یعنی رجوع کیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (ترجمہ)۔ ندامت، توبہ ہے۔ اہل تحقیق نے توبہ کی حقیقت کے لئے کہا ہے کہ توبہ کی حقیقت ۔ صرف ''ندامت'' ہے۔ اور دوسرا پہلو توبہ کا سب سے پہلے دل کا غفلت کی نیند سے بیدار ہونا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے: (ترجمہ)

''بے شک بدن میں ایک لوتھڑا ہے وہ ٹھیک ہوتا ہے تو تمام بدن ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو تمام بدن خراب ہو جاتا ہے۔ سنو! وہ دل ہے۔ (جامع ترمذی)

جب وہ دل سے اپنے (زندگی کے) عمل کی برائی کے بارے میں سوچتا ہے۔ غور و فکر کرتا ہے اور اپنے قبیح افعال کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں توبہ کا ارادہ (وخیال) پیدا ہوتا ہے نیز وہ برے معاملات سے نکلنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتے ہوئے اس کے ارادے کو درست کرتا ہے، اسے رجوع (یعنی توبہ) کی توفیق دیتا اور توبہ کرنے کے اسباب مہیا کرتا ہے۔

توبہ کرنے کی ترتیب وطریق کار:

1- پہلی بات تو یہ ہے کہ برے لوگوں کی صحبت ترک کیجائے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے

2- دل میں برائی، برے خیالات پیدا کرنے والے امور کو ترک کر دیا جائے۔ جیسے اخلاق سوز فلمیں، گانے وغیرہ۔

3- اپنے سابقہ گناہوں کو بھول جاؤ اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا عزم کرو۔ کیونکہ گناہ کرنے سے باز آئے بغیر توبہ کرنا جھوٹے لوگوں کی توبہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆

مقاماتِ سلوک وطریقت سلسلہ قادریہ

عالم ناسوت، عالم ملکوت، عالم جبروت، عالم لاہوت، عالم ہاہوت

سلسلہ قادریہ میں مقامات سلوک پانچ ہیں

اول: ناسوت، دوم: ملکوت، سوم: جبروت، چہارم: لاہوت، پنجم، ہاہوت

ناسوت کو عالم اجسام، عالم خلق اور عالم شہادت بھی کہا جاتا ہے، ملکوت کو عالم ارواح، عالم امر، عالم ملائکہ اور عالم آخرت بھی کہا جاتا ہے۔ جبروت کو عالم اسماء صفات باری تعالیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ جبکہ لاہوت اور ہاہوت سے عالم ہویت اور عالم ذات بحت باری تعالیٰ مراد لیا جاتا ہے۔ صوفیہ کرام نے سالک کے لیے ان تمام عالموں کی سیر کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ ہمارے مشائخ میں سے عارف کامل حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ نے سراج العوارف فی الوصایا والمعارف میں اس موضوع پر نہایت جامع گفتگو فرمائی ہے۔ ان کی گفتگو کا خلاصہ عرض کر دیتا ہوں۔

آپ فرماتے ہیں کہ انسان عالم صغیر ہے اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ عالم کبیر ہے۔ اس عالم صغیر میں عالم کبیر کے تمام اجزاء شامل ہیں۔ چنانچہ جو کچھ قلم میں مجمل ہے وہ انسان کی روح میں مجمل ہے۔ جو لوح میں مفصل ہے وہ اس کے دل میں مفصل ہے جو کچھ عرش پر ہے وہ انسانی جسم میں ہے اور جو کچھ کرسی میں ہے وہ انسان کے نفس میں ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ اگر انسان اپنے وجود کے بارے میں ہی غور وفکر کرلے تو یہ اس کے لیے کافی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''فرمایا جائے گا کہ اپنا نامہ اعمال پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے'' (بنی اسرائیل: ۱۴) پس جو اس کتاب کو پڑھتا ہے وہ تمام آنے والی اور گزری ہوئی باتوں کو جان لیتا ہے اور جو اسے پورا نہ پڑھ سکے تو اسے جتنا ملے اتنا ہی پڑھ لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے، ''ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی نشانیاں دنیا بھر میں اور خود ان کے اپنے (یعنی نفسوں) میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بیشک وہ حق ہے'' (حٰم سجدہ: ۵۳)۔ اور ارشاد فرمایا، ''اور تم میں (نشانیاں ہیں) تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں'' (الذّٰریٰت: ۲۱)

مختصر یہ کہ جو کچھ عالم کبیر میں ہے وہ عالم صغیر میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً عالم کبیر میں ایک شہنشاہ ہے جس کا حکم سارے جہان میں نافذ ہے یعنی اللہ تعالیٰ، عالم صغیر میں روح شہنشاہ ہے کیونکہ یہ عالم امر ہے اور بدن کے ملک میں اس کا اختیار ہے۔ عالم کبیر میں شہنشاہ کا ایک نائب کل اور خلیفہ مطلق ہوتا ہے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثل ذات پاک ہے۔ عالم صغیر میں عقل ہے جو حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عکسوں میں سے ایک عکس اور انہیں کا پرتو ہے۔ وہاں شہنشاہ حقیقی کا عرش عظیم ہے کہ اسے باری تعالیٰ سے خاص نسبت ہے اور یہاں دل ہے کہ روح کا مقام خاص ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت والی بلند کرسی ہے اور یہاں دماغ کا درجہ عظیم اور بلند ہے۔ وہاں لوح محفوظ ہے جس میں ماضی حال مستقبل کا علم درج ہے۔ یہاں قوت خیالی ہے کہ تمام صورتیں، شکلیں اور رنگتیں اور حواس خمسہ سے محسوس کی جانے والی ہر شے اس میں محفوظ ہے وہاں باری تعالیٰ کی قدیم حقیقت کا معلوم کر لینا ناممکن اور محال ہے۔ یہاں روح کی حقیقت سمجھنا ناممکن ہے وہاں تمام کائنات میں باری تعالیٰ غالب و قادر ہے اور اپنے علم و قدرت سے ہر جگہ موجود ہے اور زمان و مکان کی قیود سے مبرا اور پاک ہے۔ یہاں روح تدبیر و تصرف کے ساتھ بدن میں ہر جگہ موجود ہے لیکن کسی خاص عضو میں مقید نہیں۔

وہاں باری تعالیٰ جب زید کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو ارادہ فرماتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس ہیئت و شکل اور رنگ و روپ میں زید کی پیدائش لوح محفوظ میں ظاہر ہو جاتی ہے وہاں سے فرشتوں کو خبر ہوتی ہے اور وہ زید کے ماں باپ کے جسموں کی طاقتوں کو حرکت دے کر دونوں کو اکٹھا کرتے ہیں پھر زید کی وہ صورت جو ارادہ الٰہی کے مطابق لوح محفوظ میں نقش ہے ماں کے رحم میں قرار پکڑتی ہے اور چونکہ اس حکم کو ٹالنے والا کوئی نہیں لہٰذا زید پیدا ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام تک نہیں پہنچانا چاہتا، تو حمل گر جاتا ہے یا کوئی اور نقص پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح عالم صغیر کو سمجھنا چاہیے مثلاً اگر تو بسم اللہ لکھنا چاہے تو پہلے ارادہ پیدا ہوگا پھر اس کی صورت تیرے دماغ کی تختی پر نقش ہوگی کہ میں اس طرح لکھوں گا اس کے بعد ارواح حیوانیہ اور پٹھوں اور پھر انگلیوں اور پوروں میں حرکت ہوگی اور بسم اللہ لکھنے کا عمل پورا ہو جائے گا بشرطیکہ کوئی رکاوٹ پیدا نہ

ہوئی اور اگر لکھتے وقت یہ خیال آیا کہ اسے ادھورا لکھوں یا کسی اور طرح لکھوں تو تجھے اس پر بھی اختیار ہے۔ عالم کبیر میں قیامت ہے جو ساری مملکت کو فنا کردے گی اور ذات باری تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا۔ عالم صغیر میں موت ہے جو بدن کی مملکت کو فنا کردے گی اور سوائے روح کے کچھ باقی نہ رہے گا ان باتوں سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ جو اپنے نفس کو جان لیتا ہے اسے معرفت الٰہی نصیب ہو جاتی ہے۔ پھر نوری میاں قدس سرہ اسی طرح کی بہت ساری مثالیں دے کر فرماتے ہیں کہ یہی عالم ناسوت کی سیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جاننے اور پہچاننے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی قوت کے مطابق ناسوتی سیر ضروری ہے کہ اسی سے آدمی کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے ورنہ وہ جاہلوں سے بھی برا سمجھا جاتا ہے۔

اتباع شریعت کے ساتھ معرفت الٰہی کو پالینا سالک کو عالم ملکوت تک رسائی عطا کرتا ہے۔ اس مقام کو بعض صوفیہ کرام ''فنافی الشیخ'' کے مرتبے سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ سالک اس مقام پر پہنچ کر کسی لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں رہتا اور فرشتوں کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ اس کے بعد عالم جبروت کی سیر شروع ہوتی ہے سالک اسمائے الٰہیہ کی بارگاہوں کی سیر کرتا ہے اور عین الیقین کی نعمت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ بعض صوفیہ اسے ''فنافی الرسول'' کے مرتبہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اس عالم کی سیر کے بعد عالم لاہوت کی سیر کا آغاز ہوتا ہے یہاں سالک تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرکے حق الیقین کی دولت حاصل کرتا ہے اور سیر الی اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سیر) ختم ہو جاتی ہے اس طرح سالک کو ''فنافی اللہ'' کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے اور پھر ذات بحت یا عالم ہاہوت کی سیر شروع ہوتی ہے جسے سیر فی اللہ (اللہ تعالیٰ میں سیر) بھی کہا جاتا ہے۔

عارف کامل نوری میاں قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ ''سیدنا غوث اعظم کو اللہ تعالیٰ عزوجل کی طرف سے الہام ہوا کہ اگر سالک نے ملکوت اور جبروت کی سیر تو کی لیکن عالم لاہوت کی سیر کو چھوڑ دیا یعنی ذات بحت میں سیر نہ کی جبروت کی سیر پر ہی مطمئن ہو گیا تو وہ بارگاہ الٰہی کے قرب سے محروم رہے گا ایسے سالک کو مکمل تو کیا کامل بھی نہیں کہہ سکتے تو اس شخص کا کیا حال ہو گا جو ملکوت یا ناسوت پر ہی ہمت ہار کر بیٹھ جائے وہ بڑا کم نصیب ہے۔ پس ضروری ہے کہ اول الذکر تین مقامات میں سے کسی

مقام کو بھی اپنی منزل نہ جانے بلکہ ان سے جلدی گزر جائے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے لاہوت کی سیر کرے تو اسے درجہ کمال حاصل ہوگا اور وہ ولی کہلائے جانے کا مستحق ہوگا اس سے پہلے تو ولایت کی خوشبو بھی اسے نہیں پہنچے گی۔ افسوس ان لوگوں پر جو سیر ناسوتی سے بھی واقف نہیں اور خود کو اولیاء میں شمار کراتے ہیں''۔

مزید فرماتے ہیں۔ ''اسی سیر فی اللہ کی وجہ سے اولیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے نہ کہ سیر الی اللہ کے اعتبار سے، کیونکہ قرب الٰہی اور درجات میں ترقی سیر فی اللہ کی زیادتی سے نصیب ہوتی ہے جس کی سیر زیادہ ہے اس کو قرب بھی زیادہ نصیب ہوتا ہے۔ پس جب کوئی اللہ تعالیٰ کا محبوب اس مقام میں زیادہ سیر کرتا ہے تو وہ زیادہ مقرب و بلند درجہ ہو جاتا ہے اس مقام میں اصل شے درجات کی ترقی ہی ہے اور اس کی کوئی حد نہیں کیونکہ یہ سیر کہیں ختم نہیں ہوتی ورنہ ذات بحت محدود قرار پائے گی جو کہ شان الوہیت کے خلاف ہے مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ (ہم نے تجھے نہ پہچانا جیسا کہ تجھے پہچاننے کا حق تھا) سے اسی بات کا پتا چلتا ہے اور یہ حدیث شریف اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے، تواضع اور انکساری میں وارد نہیں ہے جیسا کہ اس زمانے کے بعض جاہل صوفی بننے والوں کا خیال ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت میں رکھے (آمین)''۔

عارف ربانی حضرت سید شاہ برکات اللہ قادری قدس سرہٗ اپنی تصنیف ''چہار انواع'' میں فرماتے ہیں، ہاہوت ایسا خلوت خانہ ہے کہ اس میں خود آگہی بلکہ بے خبری کی آگہی کی بھی گنجائش نہیں۔ لاہوت ایسی جگہ ہے کہ اس میں سالک اپنی خودی کی وجہ سے مصیبت میں پھنسا ہوتا ہے اور دعویٰ الوہیت کی جانب مائل ہوتا ہے جبروت وہ مقام ہے جہاں اسے اپنے وجود کے اجزاء کی شناسائی ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ سے ملاقات کرتا ہے۔ ملکوت وہ جگہ ہے جہاں مدح و ثنا خود تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں جبکہ ناسوت ایسا ہنگامہ ہے کہ جہاں کثرت کے ساتھ مختلف لباس اور مختلف رنگوں کے جلوے نظر آتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔ ''یہ مقامات اور منزلیں نہ نیچے ہیں نہ اوپر نہ بائیں طرف ہیں نہ دائیں طرف۔ یہ سب میرے وجود کے طریقے ہیں جس وقت میں لذتوں کی طرف دوڑ لگاتا ہوں تو میرا

طریقہ ناسوتی ہوتا ہے اور جب میں مدح وثناء کی طرف مائل ہوتا ہوں تو میرا شیوہ ملکوتی ہوتا ہے اور جب میں اپنی ذات کی شناسائی حاصل کررہا ہوتا ہوں تو میرا جلوہ جبروتی ہوتا ہے اور جس وقت میں ''انا دانی'' (میں قریب ہوں) کے جذب وکیف میں شور کرتا ہوں تو یہ میرا لاہوتی شور ہوتا ہے اور جب میں ان تمام کیفیات سے آگے نکل جاتا ہوں تو وہ خواب ہاہوتی ہوتا ہے۔ یہ ایسا عظیم معاملہ ہے جسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔حدیث قدسی ہے، **اولیائی تحت ردائی لایعرفھم غیری**'' میرے دوست میری (قدرت کی) چادر کے نیچے ہیں ان (کے مقامات باطنی و درجات) کو میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا''۔ (تصوف وطریقت)

سلطان الاذکار

کیفیت سلطان الاذکار:

سلطان الاذکار ذکر اللہ کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جب تمام لطائف ستہ پر یکبارگی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یاد رہے کہ ایک لطیفہ پر جب کیفیت (نزول تجلیات) کا ورود ہوتو سالک محو بے خود ہوجاتا ہے لیکن چھ لطائف پر بیک وقت کیفیات اور انوار تجلیات کا ورود ہوتو آپ قیاس کرسکتے ہیں کہ سالک کی کیا حالت ہوگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سارے جسم میں کوئی زلزلہ آگیا ہے۔طوفان زور مار رہا ہے۔ بجلی چمک رہی ہے۔شور ہے، غل ہے، ہیجان ہے، بے قراری ہے اور محویت، استغراق اور کبھی بے خودی کا دور دورہ ہے۔ نیز اس کیفیت میں اس قدر عظیم غلبہ (حال) اور شدید ہیبت ہوتی ہے کہ جسم کی کثافتِ کو تاخت وتاراج کردیتی ہے۔ یہ ایک زبردست حملہ کی صورت رونما ہوتا ہے جس کا نمونہ:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ہ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ہ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ہ (جب زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا اور وہ اپنا بوجھ نکال کر پھینک دے گی

اور انسان کہے گا، یہ کیا ہے!) یاد رہے کہ سلطان الاذکار ایک غیبی وارداور حالتِ مخصوص ہے۔

(مکتوباتِ قدوسیہ)

(مزید تفصیل کیلئے کتاب اقتباس الانوار اور صوتِ سرمدیؒ دیکھیں)

نسبتِ اویسی

اصطلاح صوفیا میں اویسی ان حضرات کو کہتے ہیں، جو باطنی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دیگر ارواحِ کاملین سے براہ راست تربیت پائیں۔ (مہر منیر)

مشائخ اویسیہ:

حضرت شیخ طریقت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے: اولیاء اللہ میں ایک طبقہ ایسا ہے جنہیں مشائخ طریقت اور کبریٰ حقیقت ''اویسی'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ انہیں ظاہری طور پر کسی مرشد یا رہبر کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ انہیں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نگاہ عنایت سے پرورش فرماتے ہیں اور اس تربیت میں کوئی واسطہ درمیان نہیں ہوتا۔ جس طرح آپ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو براہ راست تربیت دی تھی۔ یہ بہت بلند مقام ہے جو ہر ایک کو میسر نہیں آتا۔ اس مقام تک کس کی رسائی ہوسکتی ہے اور اس عظیم مقام کو کون پا سکتا ہے:۔

ع یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

(علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ......رسائل نقشبندیہ)

صاحبِ تصرف:

اولیاء اللہ صفات الٰہیہ کی قوتِ (روحانیہ) سے خلق میں تصرفات کرتے ہیں۔ مگر سب سے قابل اور سب سے دقیع تصرفات ان کے ہوتے ہیں جو قلوبِ عالمین میں ان سے سرزد ہوتے ہیں۔

ان تصرفات کے ذریعے وہ گمراہوں، بے دینوں کو راہِ راست پر لاتے ہیں۔ بدشوقوں کو صحیح ذوق وشوق کا فیضان دیتے ہیں۔ ناقصوں کو کامل بناتے ہیں۔ جن پر جہل کی مُردنی چھائی ہوئی ہو، انہیں علم کی زندگی دے کر زندہ جاوید کر دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے شیخ کو مُحیِی بھی کہا جاتا ہے۔ ولی درحقیقت مظہر تصرفاتِ نبی ہوتا ہے۔ (رسائل نقشبندیہ)

شرح حدیث استغفار

☆ حدیث میں آیا ہے کہ جب میرے قلب پر غلبہ ہوتا ہے تو دن میں ستر مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔ اہل ظاہر نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب میرے قلب پر غنودگی یا غفلت چھا جاتی ہے تو استغفار پڑھتا ہوں حالانکہ قلب مصطفیٰ ﷺ پر غفلت کا آنا محال ہے۔ حضرت ابوالقاسم قشیریؒ نے رسالہ قشیریہ میں اس کی شرح یوں فرمائی ہے کہ لفظ غفر کا معنیٰ ہے پردہ: حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب میرے قلب پر انوار وتجلیات کی بارش ہوتی ہے تو قوتِ برداشت سے باہر ہوتے ہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ ستر پردے درمیان میں حائل کر دے (تا کہ یہ انوار وتجلیات کا بوجھ برداشت کرسکوں)۔

(مکتوباتِ قدوسیہ صفحہ ۶۷۸)

''حقیقت مقاماتِ فنا''

سالک حقیقی ایک فناء سے دوسری فنا (منزل) میں رسائی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ذاتِ حق کی کوئی حد نہیں، مراتب فناء (منازلِ روحانیت) بھی بے حد اور لاتعداد ہیں اور مراقبہ ذاتِ حق میں سالک ہر لحہ ایک مرتبہ سے گزر کر دوسرے مرتبہ پر پہنچا رہتا ہے حتیٰ کہ زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اور مراتب (منازلِ روحانیت وتصوف) ختم نہیں ہوتے۔ (مکتوبات قدوسیہ ص ۶۹۸)

☆☆☆☆☆☆

وحدت الوجود والشہود والعطوف

تاجدار دار الاحسان حضرت ابوانیس محمد برکت علی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''وحدت الوجود ایک منزل ہے جو اللہ کی طرف سے زمین پر اتاری جاتی ہے۔ وحدۃ الوجود والشہود والعطوف ایک حال ہے جو اللہ کی طرف سے بندوں پر وارد کیا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ساری امت میں یہ منزل اور حال گنتی کے چند بندوں پر نازل ہوا جن کی تعداد پانچ سات سے زیادہ نہیں۔ یہ منزل اللہ کے لطف وکرم سے طے کی جاسکتی ہے۔ سلوک میں اس سے کڑی، مشکل، سخت اور دشوار کوئی بھی منزل نہیں۔ صاحب منزل کا مقام دم بدم بڑھتا اور بدلتا رہتا ہے اور صاحبِ منزل کے سوا کسی دوسرے کو اس کے حال اور مقام کی مطلق خبر نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اس کی کسی بھی نقل وحرکت پر کوئی قیاس آرائی تک نہیں کرسکتا۔ یہ منزل دو چار ماہ کی نہیں سالوں کی ہوتی ہے۔ اس منزل کی اعلیٰ وارفع نعمت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جمال ہے۔ جو صاحبِ منزل کو ہر وقت حاصل رہتا ہے۔ اس منزل کے کسی بھی حال کو اِکتسابی علم کا عالم کبھی بیان نہیں کرسکتا۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ پہ یہ منزل پوری طرح وارد ہوئی اور جس وضاحت سے انہوں نے اس منزل کو بیان کیا ہے اور کسی نے نہیں کیا۔ یہ منزل وجود پر وارد ہوتی ہے۔ فہم میں آسکتی ہے، بیان نہیں کی جاسکتی۔ جیسے پھول کی خوشبو سونگھی جاسکتی ہے، دیکھی نہیں جاسکتی۔ یا جیسے بعض لذتیں ایسی ہوتی ہیں جو محسوس کی جاسکتی ہیں۔ بیان نہیں کی جاسکتیں! اس منزل کے کسی حامل نے کبھی بھی اور کسی دور میں بھی یہ نہیں کہا کہ ہر شے اللہ ہے بلکہ یہ کہا کہ ہر شے میں اللہ ہے۔ اور یہی اس منزل کا لب لباب ہے۔

(مکشوفات منازلِ احسان المعروف بہ مقالاتِ حکمت جلد اول)

وحدت الوجود کا معنی و مفہوم

حضرت والا (حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین گیلانی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر تھے کہ کسی نے حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے متعلق یہ کہہ دیا کہ ان کا وحدت الوجود کے متعلق عقیدہ یہ تھا۔

''کائنات میں جو کچھ نظر آتا ہے سب خدا ہی ہے یعنی خدا ہر شے ہے اور ہر شے خدا ہے''۔

حضرت یہ جملے سنتے ہی جلال میں آگئے۔ چہرہ کا رنگ سرخ ہونے لگا۔ عجیب منظر تھا۔ سب حاضرین کی نگاہیں جھک گئیں یوں محسوس ہونے لگا کہ عرش بھی تھرتھرا رہا ہے۔ سب لوگوں کے پاؤں سے زمین نکل گئی کہ سوال کرنے والے نے کیا کہہ دیا ہے جب یہ منظر نگاہوں کے سامنے آتا ہے تو سکتہ طاری ہو جاتا ہے جلال میں فرمانے لگے ''ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص کافر ہے''۔ زندیق ہے۔ مشرک ہے۔ کون کہتا ہے کس نے کہا ہے کہ ابن عربیؒ کا یہ عقیدہ ہے فرمایا یہ عقیدہ حلول پر مبنی ہے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مشرک ہے یہ عقیدہ ابن عربیؒ کا ہرگز نہیں تھا۔ ''ہر شے خدا ہے'' ایسا کہنے والا جاہل ہے یا پھر صوفیاء کا دشمن ہے۔

ہمہ اوست کی حقیقت یہ ہے کہ تعینات ذات باری کے مظاہر میں ذات کا عین ہرگز نہیں اگر ذات باری تعالیٰ مظاہر و تعینات میں جلوہ گر نہ ہوتی تو، مظاہر و تعینات معدوم ہوتے۔ ذات باری تعالیٰ واجب الوجود ہے اور ساری کائنات ممکن الوجود ہے۔ اور ممکن الوجود واجب الوجود کا محتاج ہوتا ہے۔ پس کائنات کی ہر شے ذاتِ باری تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کی مظہر ہے۔ ممکن کے وجود کا سبب واجب الوجود کا وجود ہے۔ اگر ذاتِ باری تعالیٰ کا وجود نہ ہوتا تو کسی شے کا وجود ممکن نہ تھا۔ لیکن صحیح صوفی یہ ہرگز نہیں کہتا اور نہ ہی ابن عربیؒ کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر شے میں ذات کا حلول ہے کیونکہ یہ عقیدہ مشرکانہ ہے۔

مسئلہ ''وحدت الوجود اور ہمہ اوست'' کا تعلق ''کشف اور حال'' سے ہے اس کو قال اور عقل سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ حضرت والاؒ برملا فرمایا کرتے تھے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود ان دونوں

نظریات کا تعلق آثار باطنہ سے ہے۔اس لئے عوام الناس اس کے مکلّف نہیں۔ان کے لیے صرف توحید شرعی پر ایمان رکھنا کافی ہے اور توحید شرعی یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔اللہ کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں ہے اور وہی مستحق عبادت ہے۔

(مجالس مرشد)

مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود

ایک بار علمائے کرام جن میں علامہ محب النبی صاحب، مولانا محمد عبدالغفور ہزاروی اور مولانا نور اللہ بصیر پوری، مولانا محمد یار فریدی، مولانا محمد شفیع کاموں کے شامل تھے اس مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے۔ کوئی فیصلہ نہ ہونے پر حضرت (اویس العصر حضرت خواجہ گوہر الدین احمد قدس سرہٗ) کی بارگاہ میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا یہ مسئلہ تو کوئی الجھن پیدا نہیں کرتا۔مولانا محمد عبدالغفور ہزاروی صاحب نے عرض کیا کہ حضور اس پر تو شیخ ابن عربیؒ نے بڑی وضاحت کی ہے لیکن مسئلے کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔

آپ نے فرمایا مولانا اگر اس ذات کو احدیت اور وحدانیت کے روپ میں دیکھو تو وحدت الوجود ہے اور اگر حقیقت محمدیؐ کے روپ میں دیکھو تو وحدت الشہود ہے۔یہ مسئلہ اتنا ہی ہے کوئی سمجھ جاتا ہے اور کوئی الجھ جاتا ہے۔ (اسرار گوہر)

حقیقت وحدت الوجود

وحدت الوجود کا مقتضٰی یہ نہیں کہ خلاف شرع علیہ السلام کیا جائے یا انسان حقائق اشیاء کا منکر ہو جائے بلکہ جو شخص زیادہ کامل ہوتا ہے (علم وعمل میں) بدرجہ کمال متبع امر شارع علیہ السلام ہوا کرتا ہے جیسا کہ حضرت شیخ ابن عربیؒ اور ان کے امثال۔جو شخص اس مقام (وحدت الوجود) پر پہنچ کر امرِ شارع علیہ السلام کے خلاف کا مرتکب ہوتا ہے وہ وحدت الوجود کے مقتضٰی سے واقف نہیں بلکہ یہ چیز اس شخص کے علمی وعملی عدم کمال کی طرف نشان دہی کرتی ہے۔ (ملفوظاتِ مہریہ)

وحدت الوجود و وحدت الشہود

لفظ وجود کا اطلاق صوفیائے کرام کی اصطلاح میں واجب الوجود تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ صرف ذاتِ حق تعالیٰ ہی ہے جو اپنی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ برعکس دیگر اشیاء کے جو ہستی مطلق سے قائم ہیں۔ اس حقیقت (یعنی مقام اور منزل) تک ازروئے کشف و مشاہدہ پہنچنے سے قبل ایک درمیانی منزل آتی ہے جس میں سالک بوجہ غلبہ انوارِ حق جملہ موجودات (عالم) کو اپنی نظر سے غائب پاتا ہے۔ وسطِ سلوک میں جو حالت طاری ہوتی ہے وہ وحدت الشہود اور انتہائے سلوک کی حالت وحدت الوجود ہے۔

(تلخیص: سرِّ دلبراں)

شرح وحدت الوجود

شیخ اکبر ابن عربیؒ نے کئی مقامات پر فتوحات مکیہ میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ وحدت الوجود سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر چیز خدا ہے، ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

اَلعَبدُ عَبدٌ وَاِن تَعَرَّجَ

وَالرَّبُّ رَبٌّ وَاِن تَنَزَّلَ

(بندہ بندہ ہے خواہ وہ کتنا عروج کرلے اور رب رب ہے خواہ وہ کتنا نزول فرمائے) عروج و زوال کے سفر کا ذکر آگے آرہا ہے یہاں یہ بتا دینا کافی ہے کہ وحدت الوجود سے صرف یہی مراد ہے۔ نقطہ نگاہ یا اعتبار کا فرق ہے۔ حقیقت میں اس مسئلہ میں کوئی الجھن نہیں ہے۔ الجھن صرف منطقی دلائل کی موشگافیوں کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے جو کہ نزاعِ لفظی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(تلخیص: مشاہدۂ حق)

حظیرۃ القدس

حظیرۃ القدس: عالم ارواح کا وہ مقام جہاں اہلِ بیت کی ارواح قیام پذیر ہیں اور وہ ایک عجیب طرح کی قدرت اور رسوخ رکھتے ہیں اور نسبت اویسیہ رکھنے والی ارواح مقدسہ کو خصوصاً فیضیاب کرتے ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے طریقہ (سلوک) کی اصل ''نسبت اویسیہ'' ہے۔ جس کے فیض کی کچھ انتہا نہیں ہے۔

(رسالہ ہمعات)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ میں حظیرۃ القدس کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ وہ جگہ جو ''فرشتوں کی مرکزی جماعت'' کی قوت کا مسکن ہے۔ یہ وہ روحانی دنیا ہے جہاں ملائکہ مقربین اور کاملین کی ارواح کا ''اجتماع'' ہوتا ہے۔ اسی کو الرفیق الاعلیٰ اور الندی الاعلیٰ بھی کہتے ہیں۔ اس کائنات کے تمام اہم امور اسی جگہ طے پاتے ہیں۔ اسی سے نورانیت وجود پذیر ہو کر کائنات میں اعمال خیر کی راہ ہموار کرتی ہے۔ حظیرۃ القدس کے باسیوں کا قبلہ و کعبہ ''تجلی اعظم'' ہے۔ انسان کی (روحانی) ترقی کی معراج یہ ہے کہ وہ اس حظیرۃ القدس کا رکن بن جائے۔ شارح شطعات مولانا سید محمد متین ہاشمی رقم طراز ہیں کہ ساری عبادات و ریاضات کا صرف ایک مقصد ہے وہ یہ کہ انسان اپنے اندر کی بہیمی صفات (نفس امارہ کی صفاتِ رذیلہ) کو شکست دے کر اس امر پر ملکوتی صفات یعنی (پاکیزہ خصلتیں) کو غالب کر دے یہاں تک کہ اسے مجرد محض کا مشاہدہ حاصل ہو جائے اور اس کی روح حظیرۃ القدس (ملائکہ اور ارواح عالیہ کی اسمبلی) کی ممبر بن جائے۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اہل حظیرۃ القدس سے تشبہ حاصل کیا جائے اور آغاز ہی میں اپنا رخ حظیرۃ القدس کی طرف رکھا جائے۔ اس وقت حظیرۃ القدس کی تاثیرات (فیوض و برکات) کا بھی نفوذ ہوگا۔ (شطعات/شطعہ نمبر ۴۰)

تاجدارِ دارالاحسانؒ اور مجلسِ حظیرۃ القدس

آپؒ ہمہ وقت کیفِ حضور سے سرشار رہتے۔ بسا اوقات جذب و کیف حد سے بڑھ جاتا۔ ان کے جمال میں محو ہو کر ہر دو عالم سے بے خود و بیگانہ وار آپ ؐ کے مبارک قدموں میں چہرہ بچھا دیتے۔ خود فراموشی کے عالم میں اپنا نام تک بھول جاتے۔ ذکر قلبی، سری اور روحی کے ساتھ تحریری کلمات کا معمول پچاس برس تک جاری رہا۔ ہر کاغذ پر کلمات مقررہ تعداد میں تحریر فرمانے کے بعد اپنے مکمل دستخط اور مکمل تاریخ رقم فرماتے۔ اکثر اوقات کلمات لکھنے کے بعد رک جاتے۔ اپنا نام بھول جاتے، ہم عرض کرتے۔ ''ابوانیس محمد برکت علی لدھیانوی'' مسکراتے ہوئے دستخط فرماتے اور سن ہجری کے مطابق مکمل تاریخ درج فرماتے۔ تحریر کردہ کلمات باہومان ضلع شیخوپورہ کے قرآن محل میں محفوظ ہیں۔ حظیرۃ القدس کی مجلس منعقد ہوتی، تو انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور اولیاء و صالحین کی آمد شروع ہو جاتی۔ جنگل کی فضائیں عطر بار ہو کر خوشبو بکھیرنے لگتیں۔ آپ کا چہرہ مبارک تمتما اٹھتا۔ آنکھیں سرخ ہو کر مخمور ہو جاتیں۔ ہر مقدس و مکرم ہستی کی آمد پر زمین بوس ہو کر سلام عقیدت پیش کرتے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضری کا شمار ہی نہیں۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا امام حسینؓ، خواجہ اویس قرنیؒ پیرانِ پیر دستگیرؒ، شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتیؒ، سیدنا علاؤالدین علی احمد صابرؒ جیسی عظیم المرتبت ہستیاں اپنے ظاہری وجود سے اس مقام پر تشریف لاتیں تو یہ خطہ رشکِ آسماں بن جاتا۔ آپؒ اس روز از حد مسرور و مخمور نظر آتے اور فرمایا کرتے: آج بڑے بڑے صاحب تشریف لائے ہیں۔

درود اویسیہ جو کہ ہمارے سلسلہ طریقت کا موروثہ درود ہے، خواجہ اویس قرنیؒ نے بہ نفسِ نفیس آپ کو تلقین فرمایا۔ پھر ایک موقع پر خواجہ اویس قرنیؒ کیمپ دارالاحسان میں ایک معلق تخت پر تشریف لائے اور آپؒ سے ہم کلام ہوئے۔ اس کے چند روز بعد آپ نے خواجہ اویس قرنیؒ کی سوانح حیات ترتیب دی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میرے وصال کے بعد میری قبر پر درود اویسیہ کثرت سے پڑھنا۔ اس بارے میں ایک تابناک بورڈ وصال سے تین سال قبل ہی قبر مبارک کی جگہ پر لگوا دیا۔ دور دراز کے

فاصلے چشمِ زدن میں طے کرنے کو "طئی الارض" کہا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت اپنے برگزیدہ بندوں کو یہ قوت عطا فرماتا ہے۔ حضور باباجی سرکارؒ کو یہ قوت حاصل تھی۔ فرماتے میرا عقیدت مند ارادت تامہ سے زمین کے کسی خطہ میں مجھے یاد کرے، تو مجھے حاضر پائے گا۔ ماشاء اللہ ایک دن ایک درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ درویش دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر آپ کے جلال کے سامنے بول نہ سکا۔ آخر آپ کے قدموں میں گر پڑا اور بولا "میں نے آپؒ کو پیران پیر دستگیرؒ کے دربار میں دیکھا ہے"۔ آپ نے فرمایا "تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن تم اپنا عہد بھول گئے کہ اس بات کو پردہ اخفاء میں رکھو گے" وعدہ شکنی پر درویش بہت نادم ہوا۔ اور نہایت عجز و انکسار سے بولا "پیران پیر دستگیرؒ نے آپ کو بلایا ہے"۔ آپ نے فرمایا۔ "میری جان ان پر قربان، میرا عاجزانہ سلام پیش کر دینا"۔ آپ نے فرمایا۔ "مردان خدا جس جگہ بیٹھتے ہیں، اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ، عرش اور کرسی کو ان کے سامنے کر دیتا ہے اور ایسی روحانی قوت عطا فرماتا ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو دیکھتے ہیں"۔

میلاد و اعراس کے مواقع پر انوار و تجلیات کی برکھا برسنے لگتی۔ درگاہ شریف کے در و دیوار پر پُر جلال کیفیت طاری ہو جاتی۔ قلوب دہل جاتے۔ آنکھیں نمناک ہو جاتیں۔ ان کی مجلس میں موجود ہر شخص عجیب کیف و سرور کے عالم میں مخمور ہو جاتا۔ آپ بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھاتے، جھکاتے اور پھر جذب و مستی کے عالم میں عالم اسرار میں جا نکلتے۔ اور گھنٹوں تک اسی کیفیت سے سرشار رہتے۔ اس عالم میں کسی کو بھی آپ کے قریب جانے کا یارا نہ تھا۔

(تاجدارِ دارالاحسان، حصہ اول)

صاحب مقام و صاحب مشاہدہ

صاحب مقام وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو بھی مقام عطا کرتے ہیں۔ شاہد کا مرتبہ اسے ملتا ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع کرے۔ شاہدین کی جماعت ہے جو تاقیام قیامت تک قائم رہے گی۔ جس کا دنیا میں کوئی شاہد (مرشد) نہ ہو اس کی آخرت

میں بھی شفاعت نہیں۔شفاعت یہ ہے کہ شاہد کہے۔

اے رب العالمین! اس شخص سے کمی وبیشی ضرور ہوئی ہے لیکن بے علمی سے، تو اسے معاف فرمادے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسے معاف فرمادے گا۔ صاحبو! جب تک کسی کا کوئی شاہد (مرشد کامل) نہ ہو، اس کا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہے۔ (اخص الخواص)

اتحادمشاہدہ، مکاشفہ

جو شخص خود پر نظر رکھے وہ صاحب نظر بن جاتا ہے۔ اسی کو مکاشفہ کہتے ہیں اور جو دوسروں پر نظر رکھتا ہے اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اگر خلوت کی پاکی ہو تو مکاشفہ اور اگر جلوت کی پاکی ہو تو مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ مومنین کی خلوت اور جلوت پاک ہوتی ہے اس لیے دین اسلام پر گامزن رہنے اور اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی زندگیوں پر یکساں اثرات مرتب ہوتے ہیں یہی اتحادِ مشاہدہ ہے۔ (اخص الخواص)

شعورِ خودی کا فیضان

علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے (جیسا کہ طریق رابطہ کا اصل ہے) تو اللہ تعالیٰ بھی انسان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسے اپنے دائمی انعامات سے نوازتا ہے۔ یہی فیضان الٰہی ہے جو سینوں میں نور کی مانند نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی تمام صفات، سمع، بصر، نور، علم، حلم وغیرہ کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے جس سے اس کی شخصیت میں ایک بے مثال نکھار، کمال اور جمال پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اسرار الٰہی کا ایک سمندر اس پر کھلنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا ادراک (ایک محدود حد تک جو اس دنیا میں روا ہے) محسوس کرنے لگتا ہے۔ جب تک انسان عرفان خویش (خود بینی) جو خودی سے ہی ممکن ہے، حاصل نہ کرے اس وقت تک خدا کو سمجھنے کی کوشش فضول اور بے کار ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ ؎

اگر خواہی خدا را فاش بینی　　　خودی را فاش تر دیدن بیاموز

(اگر اللہ تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنا چاہتے ہو تو اپنی خودی کو فاش تر دیکھنا سیکھو)

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے

زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ مقاصد علم کو حاصل کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ علم کی غایت یہ ہے کہ علم کے مطالب و مقاصد کو حاصل کر لے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جو زیادہ کچھ نہیں جانتا لیکن اپنی خودی کا عارف ہے وہ عالم ہے۔ کیونکہ انسان خودی کا رازداں ہو کر خدا کا ترجماں ہو جاتا ہے۔ یعنی عرفانِ نفس، عرفانِ حق کا ذریعہ ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ زندگی کا کمال خودی ہی کی حقیقی بازیافت پر منحصر ہے۔ اور زندگی کا کمال اپنی خودی کو پہنچانا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ خودی کا عرفان تمام مرحلوں کی انتہا ہے۔ اگر کوئی اس علم کو سمجھ گیا تو گویا وہ علوم و فنون کا ماہر ہو گیا۔

جس روز دل کی رمز مُغنّی سمجھ گیا

سمجھو تمام مرحلہ ہائے ہنر ہیں طے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ عارفِ خودی کو وہ زندگی نصیب ہوتی ہے جو لازوال ہوتی ہے۔ ایسے عارف کامل کو موت بھی فنا نہیں کر سکتی یعنی اسے حیات جاوداں سے نوازا جاتا ہے۔

ہو اگر خود نگر و خود گیر خودی

یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی نہ مر سکے

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا

تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

(رابطہ شیخ)

روحانی معراج، رابطہ اور قربِ الٰہی کی حقیقت

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ روحانی حقائق نہ زمانی ہیں نہ مکانی ہیں۔ روح کا سفر اور اس کا عروج و زوال بھی کوئی مکانی حیثیت نہیں رکھتا۔ ذات و صفات الٰہیہ اور روحانی حقائق کے لیے اگرچہ مادی دنیا کے اعتبار سے سمجھانے کو زمانی اور مکانی تشبیہوں میں بیان کیا جاتا ہے مگر حقیقت میں ان پر زماں و مکاں کا اطلاق نہیں ہوتا۔ خدا کے پاس جانے یا اس کا قرب حاصل کرنے کے معنی یہ نہیں کہ مادی افلاک کو عبور کر کے اس کے پاس پہنچنے کی ضرورت ہے۔ مولانا رومؒ ایک جگہ فرما چکے ہیں:۔

عشق حق از جنس ہستی رستن است　　　عشق نے بالا نہ پستی رفتن است

(عشق یہ نہیں کہ کوئی اوپر جائے یا نیچے، خدا کا عشق اپنی ہستی کی جنس سے الگ ہوتا ہے)۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ روح کا سفر ارتقائی ہوتا ہے۔ ایک ادنیٰ حالت سے دوسری بہتر حالت تک ترقی کرنے کو رجعت الی اللہ کہتے ہیں۔ مولانا اس سفر کو سمجھانے کے لیے ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ انسان کی نطفہ سے لے کر پیدائش اور بلوغ تک جو ترقی ہے وہ سیر و سفر مکانی نہیں۔ دنیا کے زماں و مکاں تو مادی دنیا کے حقائق کو سمجھانے کے لیے آلات ہیں۔ عالم ملکوت اور عالم لاہوت کی باتوں کو دنیاوی مثالوں سے واضح نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

رفتن ارواح دیگر رفتن است　　　ایں دراز و کوتہہ اوصاف تن است

"یہ دراز اور کوتاہ ہونا جسم کے اوصاف ہیں روحوں کا جانا اور ہوتا ہے" جسم کا جانا اور ہوتا ہے۔

جسم ما از جاں بیا موزید سیر　　　سیر جاں بے چوں بود در دور و دیر

(روح کی سیر بے مثال ہوتی ہے اور اس میں دور اور دیر کی اصطلاحیں نہیں۔ ہمارا جسم روح سے سیر کرنا سیکھتا ہے)۔

اہل طریقت کا خیال ہے کہ ہر انسانی چیز کی نشو و نما روح کی قوت پر منحصر ہے۔ روح درست ہے تو جسم بھی درست ہوتا ہے۔ بیماری پہلے روح کو لگتی ہے اور بعد ازاں جسم میں منتقل ہوتی ہے۔

(رابطہ شیخ)

حضورِ قلب

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ خالص یقین کے ساتھ قلب کا غائب کے لئے ''حاظر'' رہنا جواس کے عیاں (آنکھ، کان، ناک وغیرہ) سے غائب ہو، حضور کہلاتا ہے۔ اگر سالک کو اس طرح کی کیفیت حاصل ہو تو غائب بھی اس کے لیے حاضر کی مانند ہو جاتا ہے۔

غیبت:

حضورِ حق و مشاہدۂ حق میں مشغول رہتے ہوئے دل کا خلق کے مشاہدے سے دور رہنا ہے۔ اس طرح کہ بندے کے ظاہر میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو، غیبت کہلاتا ہے۔ (گویا جو مخلوق سے دور ہو اور مشاہدہ حق میں غرق ہو تو وہ خود سے غائب ہوتا ہے)۔

علامہ اقبالؒ نے بھی اس طرح خود کو نہ پانے کے متعلق فرمایا ہے کہ:

مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اقبال کو دیکھوں ۔۔۔ کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانی

اقبال بھی اقبال ہے آگاہ نہیں ہے ۔۔۔ کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

آپ نے فرمایا کہ اپنی ذات سے غائب ہونا، حضور حق کی راہ ہے۔ اگر منزل پر پہنچ جائے یعنی حضورِ قلب حاصل ہو جائے تو راہ درکار نہیں، غیبت کا حاصل حضور ہے۔ غیبت بے حضور بے کار ہے۔ غیبت، حضور کیلئے ذریعہ ہے۔ حضور مقصد کے بعد ذریعہ کار کی ضرورت نہیں رہتی۔ خود بخود حضور ہو جاتا ہے۔ غائب وہ نہیں جو اپنے شہر سے غائب ہو بلکہ غائب وہ ہے جو ہر آرزو سے غائب ہو۔ حاضر وہ نہیں جس کی کوئی آرزو نہ ہو۔ حاضر وہ ہے جس کے دل میں دورنگی نہ ہو۔ اور اس کی آرزو فقط ذات باری ہو۔ (حضورِ قلب)

عظمت و کمالات انسانیت

صفات ملکوتی: جب وہ تجلی جو ملائکہ پر وارد ہوتی ہے کثرتِ عبادت کی وجہ سے فقیر پر نازل ہوتی

ہے تو اس کی غذا وہی نور ہو جاتا ہے جو ملائکہ کی غذا ہے اور (بوجہ تجلی) فقیر کو کھانا کھانے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ اس میں صفاتِ ملکوتی آجاتی ہے۔ (ذکر خیر صحیفۂ محبوب)

بشری اور نوری صفات

انسانوں اور فرشتوں میں نوری صفات ہوتی ہیں۔ بہت کم لوگ اہل تصوف کی اس بات کو جانتے ہیں کہ انسانوں میں ملکوتی اور بشری صفات باہم موجود ہوتی ہیں۔ اسی طرح فرشتوں میں بھی یہ صفات موجود ہوتی ہیں۔ جیسے جبرئیلؑ، دحیہ کلبی کی شکل میں وحی لے کر آتے تھے۔ بالکل اسی طرح انسانوں کو بھی یہ طاقت دی گئی ہے کہ وہ ملکوتی جہت اختیار کر کے اسی طرح پرواز کریں جس طرح فرشتے کیا کرتے ہیں۔ (ابدال ہوا میں اڑنے کی طاقت رکھتے ہیں) فرشتوں کی طرح انسان بھی آنِ واحد میں جسم سمیت دور دراز کے علاقوں کا سفر کر سکتا ہے۔ انسان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر طاقت عطا فرمائی ہے کہ اگر وہ چاہے تو زمین اور آسمان کو ایک لمحہ میں طے کر جائے۔ لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب کوئی (سالک صادق) اپنی روح کو عبادات اور مجاہدات سے مزین کرے۔

(بیعت کی تشکیل اور تربیت)

سفر در وطن:

حضرت سائیں توکل شاہ انبالویؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کبھی مراقبہ یا نماز سے فارغ ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضورؒ بڑے دور دراز سفر سے واپس تشریف لائے ہیں اور ایسا حضورؒ ظاہر فرمایا کرتے تھے کیونکہ حاضرین سے دریافت کرتے کہ راضی ہو، کہاں رہتے ہو، کیا حال ہے۔ حالانکہ وہ حضور کے پاس ہی بیٹھے ہوتے تھے۔ آپ کی روح مبارک صعود یعنی عروج ملاء اعلیٰ حضور الٰہی میں کر جاتی تھی جب واپس آتی تو جیسا کہ بعد سفر کے ملاقات ہوتی ہے ایسی ہوتی تھی۔ اس سے "سفر در وطن" خوب ظاہر ہوتا تھا۔ (ذکر خیر صحیفۂ محبوب)

انسان کامل کے مقامات کی وسعت:

ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ (پیر مہر علی شاہؒ) ملتان میں ایک کتاب کا درس دے رہے تھے۔ دوران درس یہ مسئلہ آیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اے فرزند! انسان جب ''انسانِ کامل'' کا رتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اس پر سے بشری قیود اٹھ جاتی ہیں'۔۔۔۔اس قول کے مطابق آپ پر سے یہ بشری قید اٹھ گئی تو پھر آپ جیسے یہاں (مجلس میں) موجود ہیں ویسے ہی بیک وقت اس کوٹھری میں بھی ہو سکتے ہیں اور اسی طرح اجمیر میں بھی اور مدینہ شریف میں بھی۔ پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور یا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کہنے میں کیا حرج ہے؟

(نوٹ)۔ اس طرح کے چشم دید واقعات پڑھنے کے لیے راقم الحروف کی کتاب ''جسمِ مثالی کے کمالات'' کا مطالعہ فرمائیں۔ شکریہ!

جسم مثالی کیا ہے؟

روح ایک شعاع ہے۔ یہ شعاع انسانی ارادے کی قوت کے مطابق چشم زدن میں کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک حرکت کر سکتی ہے۔ اگر یہ شعاع کسی کامل ولی اللہ کی روح کی ہو تو وہ ولی اللہ اپنی قوتِ ارادی سے (بحکم اللہ تعالیٰ) اپنے مثالی جسم کو اس زمین یا کائنات میں (یہ روحانی طاقتِ پرواز پر منحصر ہے)۔ جہاں چاہے مجسم طور پر ظاہر کر سکتا ہے۔ یا اپنے اس جسم مادی کو جہاں چاہے منتقل کر لیتا ہے۔ یہی وہ راز ہے کہ اکثر اولیائے کرام ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر موجود پائے گئے ہیں اور پائے جاتے ہیں۔ جس نے یہ طاقت حاصل کر لی یا اس کا علم رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراج جسمانی تھی۔ (تعمیر ملت)

طے الارض کا کمال:

حضرت ننھے میاں رحمۃ اللہ علیہ بجنور ضلع نجیب آباد کے رہنے والے تھے۔ لنگوٹ پہنتے باقی جسم عریاں سڑک پر کھڑے رہتے۔ تانگے والے آتے اور کہتے:

''ننھے میاں بھاگ کر دکھاؤ''

تانگے کے ساتھ ساتھ دور تک بھاگتے، اسی طرح دن کٹتا، جمعرات کے دن ظہر کے وقت بجنور ہوتے۔ اور عصر کے وقت کلیر شریف۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان کم از کم ساٹھ ستر میل کی دوری ہے۔ ننھے میاں کا تذکرہ دیو بند میں ہوا۔ انہوں نے کہا ہم یہ کبھی مان سکتے ہی نہیں کہ ایسے ہوسکتا ہے۔

چنانچہ جمعرات کے دن متعدد علماء بجنور اور ایک جماعت کلیر شریف پہنچی۔ بجنور والوں نے کہا ہم نے ننھے میاں کو اتنے بجے یہاں دیکھا ہے اور کلیر شریف والوں نے کہا کہ ہم نے اتنے بجے پیران کلیر میں دیکھا ہے۔ دونوں کے وقتوں میں صرف چند منٹوں کا فرق تھا۔۔۔۔:

اللہ ہی اپنے بندوں کے حال سے واقف ہے۔ ماشاءاللہ:

(تذکرہ انوار صابری)

☆☆☆☆☆☆

بارگاہ خداوندی میں اہلِ فقر کا مقام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت دو عالم، نورِ مجسم، شفیع معظم، حبیب مکرم، شاہ بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَا بَرَّهٗ" ٥

(مسلم/مشکوٰۃ شریف)

(بہت سے پراگندہ بال دروازوں سے نکالے ہوئے اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بری کرے، یعنی ان کی بات پوری کرے)

شرح:

اس فرمان عالی شان کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دنیا داروں کے دروازوں پر جاتے ہیں پھر وہاں سے نکالے جاتے ہیں بلکہ وہ تو مرد قلندر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کے دروازے کی طرف نظر بھی نہیں کرتے۔ ہاں اس حدیث مبارک کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ان کی حقیقت سے غافل ہیں۔ اگر وہ اس حالت میں کسی کے پاس سے گزریں تو لوگ ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں اور ان سے ملاقات کرنی گوارا نہ کریں۔ ان کی مثال دنیا والوں میں ایسی ہے جس طرح لعل پہاڑ میں یا موتی سمندر میں ہوتا ہے، ایسا کیوں ہے؟ اس لئے تاکہ لوگ ان کا وقت ضائع نہ کریں۔

ایسے لوگ اگر کوئی بات کہہ دیں اور قسم کھالیں کہ ایسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کی لاج رکھتا ہے۔ اس معاملہ کو ویسا ہی فرما دیتا ہے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں۔

(فقیری میں کیا رکھا ہے؟)

حضور اقدس واکمل واطہر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فقراء کے جھرمٹ میں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔اور میرے قریب ایک مہاجرین فقراء کا گروہ بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک رحمت دو عالم، بے کسوں کے مددگار، بے سہاروں کے سہارے، آمنہؓ کے دلارے، خدا کے رسول پیارے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے تو حضور سراپا نور، محبوب رب غفور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان مہاجرین فقراء کے گروہ میں ہی بیٹھے۔میں بھی پھر اٹھ کر ان فقیروں میں جاملا۔

فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لیبشر فقراءُ المھاجرین بما یسرُّ وجوھھم فانھم یدخلون الجنة قبل الاغنیاء باربعین عاما قال فلقد رایت الوانھم اسفرت قال عبداللہ بن عمرو حتیٰ تمنیت ان اکون معھم او منھم

(دارمی شریف/مشکوۃ شریف)

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ فقراومہاجرین اس کی خوشی منائیں جو بات ان کی چہروں کو کھلا دے۔یعنی جس بات کے سبب ان کے چہرے کھل جائیں کہ وہ جنت میں امیروں سے چالیس سال پہلے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس کے بعد ان کی رنگ دیکھے تو وہ چمک سے کھل گئے تھے۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں نے ان پر لطف وکرم کی بارش دیکھی تو میں نے خواہش کی کہ میں ان میں سے ہو جاؤں یا ان کے ساتھ ہو جاؤں۔

سبحان اللہ لجپال کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عطاؤں پر قربان جاؤں۔اپنے غلاموں کو پریشان دیکھا تو خود چل کر ان کے حلقے میں تشریف لائے اور ان کو جنت کی ابدی نعمتوں کی خوشخبری

سنائی۔دوسری حدیث میں تو کرم کی انتہا کردی جس میں دعا فرما رہے ہیں:

(ترجمہ): ''اے اللہ! مجھے زندہ رکھ تو مسکین اور مجھے موت آئے تو مسکینی کی حالت میں اور کل قیامت کے دن بھی میرا حشر مسکینوں کے زمرے میں فرمانا''۔

(فقیری میں کیا رکھا ہے؟)

جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت فرماتا ہے!

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے دنیا سے بچالیتا ہے۔ جیسے تم میں سے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔

(رواہ حضرت قتادہؓ/ترمذی، احمد، مشکوٰۃ)

شرح:

جس بندے سے اللہ محبت کرتا ہے اس کو دنیا سے اس طرح بچاتا ہے کہ اس کے دل کو دنیا کی محبت سے محفوظ رکھتا ہے اگرچہ لاکھوں روپیہ کا مالک ہو پھر بھی اس کے دل میں مال کی نہیں بلکہ اپنے حقیقی یار کی محبت ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ والے فرماتے ہیں: ہتھ کار ول، دل یار ول، یعنی دل ہر وقت یار کے خیالوں، ذکر الٰہی میں گم ہو اور یار کی یادوں کا ڈیرہ ہو۔

(فقیری میں کیا رکھا ہے؟)

☆☆☆☆☆☆

ترک دنیا گیر تا سلطان شوی

(دنیا سے بے نیاز ہو جاؤ تا کہ تمہیں حقیقی بادشاہی حاصل ہو)

کلام: قدوۃ الکبریٰ مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ۔

ترکِ دنیا گیر تا سلطان شوی
محرم اِسرار با جاناں شوی

(دنیا سے بے نیاز ہو جاؤ تا کہ تمہیں حقیقی بادشاہی حاصل ہو اور محبوب حقیقی باری تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو)۔

دام فانی برگل از پائے جاں
ناتو واصل باقی از سبحاں شوی

(دنیا کے جال میں کب تک پھنسے رہو گے؟ کسی دانا کی تلاش میں اڑ جاؤ)

برگزر از خواب و خود مردانہ وار
تا براہِ عشق چوں مرداں شوی

(فانی دنیا کا جال اپنی قوت سے توڑ دو تا کہ اللہ کا وصل میسر ہو اور ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو)۔

گر نہی پا برسر او رنگ و جاں
تار کی چوں اشرفِ سمناں شوی

(نیند اور بھوک پر قابو حاصل کر لو تا کہ عشق کے راستے میں تم مردانگی کے ساتھ آگے بڑھو۔ اگر تمہیں تخت شاہی و بلند دنیاوی مرتبہ حاصل ہے تو اشرف سمنانؒ کی طرح اس سے بے نیاز ہو جاؤ)۔

(لطائفِ اشرف)

تجلّی جلالی

کامل صوفی پر ایک ایسی حالت بھی آتی ہے کہ اس پر تجلی جلالی کا ورود ہوتا ہے۔ جس کے اثر سے صوفی کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ جب یہ تجلی، جلالی پہاڑوں پر گرتی ہے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ ایک آگ سی لگ جاتی ہے اور یہ آگ جلانے والی نہیں ہوتی لیکن اس آگ کے ہر شرارے میں صد ہزار آتش کی طاقت ہوتی ہے۔ اس حالت میں ایک نہایت جمیل ولطیف صورت پیدا ہوتی ہے اور ان تمام ٹکڑوں کو اپنی طرف بلاتی ہے اور ہر ٹکڑا دوڑ کر اس کی طرف آتا ہے۔ اس کے بعد قدرت الٰہی سے اس سے زیادہ قوی، زیادہ مکمل اور زیادہ لطیف صورت وحالت میں دل حق تعالیٰ کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ ''مرآۃ الاسرار''۔ (بحوالہ جوامع الکلم مصنفہ خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ)

غلبۂ عبدیت

راہِ سلوک کی آخری حالت بقاء ہے۔ جسے عبدیت بھی کہتے ہیں لیکن عبدیت کے بعد ایک غلبہ ہوتا ہے جسے ''غلبۂ عبدیت'' کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے سالک مکمل طور پر کھویا جاتا ہے۔ اس لیے آخری عمر میں اکثر حضرات صاحبِ تمکین حالتِ محمود واستغراق میں چلے جاتے ہیں۔

(اقتباس الانوار)

صوتِ مستقیم (آوازِ انہد)

صوتِ مستقیم سے مراد شغل انہد ہے جو صوفیائے کرام کے اقوال کے مطابق سیٹی کی طرح کی ایک مسلسل آواز ہوتی ہے۔ عارفین کاملین کا قول ہے کہ:

''یہ آواز در حقیقت صدائے کن ہے''

چونکہ صفات الٰہی میں سے کوئی صفت کبھی معطل نہیں ہوتی۔ صفت تخلیق بھی جاری ہے اور حکم کن فیکون بھی ہر وقت جاری ہے۔ صوت انہد کو صوتِ سرمدی بھی کہتے ہیں اور سالکین راہ حقیقت کا

اکثر اس آواز سے واسطہ رہتا ہے۔خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام سے خبر دی۔فرمایا۔

''انہد مرلی شور مچایا''۔ (اقتباسِ الانوار)

(نوٹ)۔''صوتِ سرمدی'' کی مکمل شرح راقم الحروف کی کتاب سے ملاحظہ فرمائیں۔شکریہ۔

فتح باب

فتح باب کے لفظی معنی ہیں دروازہ کا کھلنا۔اور صوفیائے کرام کی اصلاح میں اس سے مراد ہر قسم کے حجابات کا دور ہونا اور عالم بطون کا ظہور ہے۔

مقام تحیّر

تحیّر سے مراد کمالِ حیرت ہے جو مقام فنا فی اللہ میں سالک پر طاری ہوتی ہے۔سالک ذاتِ حق میں اسقدر محو ہو جاتا ہے کہ اپنی بھی خبر نہیں رہتی۔حیرت کی دو اقسام ہیں۔حیرت محمودہ اور حیرت مذمومہ، حیرت محمودہ عرفان کا نتیجہ ہے اور حیرت مذمومہ جہل کا۔تاج محل دیکھ کر ایک معمار کا حیرت زدہ ہونا حیرت محمودہ ہے۔اور ایک گنوار کا حیران رہ جانا حیرت مذمومہ ہے۔اسی طرح ذات حق میں عارف کو جو حیرت حاصل ہوتی ہے وہ حیرت محمودہ ہے۔اور غیر عارف کو جو حیرت ہوتی ہے وہ حیرت مذمومہ ہے۔امام غزالی کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی قدرت کی نیرنگیوں میں غرق ہو کر متحیر ہو جانا انبیاء واولیاء کا آخری مقام ہے۔ (اقتباس الانوار)

☆☆☆☆☆☆

شرح فنافی الشیخ ،فنافی الرسول اور فنافی اللہ

فنافی الشیخ: روحانیت کے اس مقام پر سالک اپنی ہستی (ذات) کو مرشد کی ہستی میں فنا کر دیتا ہے اور مرشد کی پیروی میں منہمک ہوتا ہے اور یہ زینہ محبت کا اور اتباع شیخ کا ہے۔بعض اوقات اس مقام سے آشنا ہونے سے پہلے سالک کو فنافی الشیخ کا منظر بھی دکھایا جاتا ہے جو مرشد دکھاتا ہے تاکہ سالک کو خبر ہو جائے کہ مقام فنافی الشیخ کے آنے سے پہلے اپنے آپ کو تیار رکھے۔اور اس کے لیے فنافی الشیخ کے مقام کی تعلیمات حاصل کرے۔ اس مقام پر سالک کو اپنا وجود شیخ کا وجود محسوس ہوتا ہے اور یہ حالت تقریباً سات دن سے پندرہ دن تک رہتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ سالک اپنے وجود میں واپس آتا ہے۔اس مقام پر اگر مرشد کامل ہو تو سالک جلوہ حق سے واصل ہو جاتا ہے۔مگر اس کے لیے سالک کا پختہ ہونا ضروری ہے اور صاحب علم ہونا بھی ضروری ہے اور سالک کو اس وقت اپنے شیخ کے قریب رہنا ضروری ہے ورنہ بھٹک سکتا ہے اور نقصان بھی ہو سکتا ہے اور اس مقام پر عقل بھی بعض اوقات اڑ جاتی ہے اور سالک پر مجذوبیت طاری ہو سکتی ہے لہٰذا اس سے بچنے کیلئے ہر وقت اپنے شیخ کے پاس رہے اور اس دوران مخلوق سے رابطہ کم رکھے اور اپنے آپ کو مطالعہ کتب اسلامی میں مصروف کر لے۔ کیونکہ شیطان ہر مقام ترقی پر مقابلہ کرتا ہے اور اپنا زور لگاتا ہے کہ سالک بھٹک جائے مگر مرشد کامل ہو تو ایسا نہیں ہوتا۔لہٰذا اس صورت میں مرشد کو باخبر رکھا جائے اور ہدایت پر عمل کیا جائے۔فنافی الشیخ کے مقام پر پہنچنے سے پہلے بعض اوقات انسان عشق کی آگ میں جلتا ہے۔ پورا جسم انسانی 105 درجے بخار کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔یہ حالت بعض اوقات برداشت سے باہر ہو جاتی ہے اور کم ہمت لوگ اس حالت میں اپنے کپڑے بھی پھاڑ دیتے ہیں مگر کامل مرشد والا ان چیزوں سے بچ جاتا ہے۔اس آگ لگنے کا مقصد سالک کے جسم کی صفائی ہوتی ہے تاکہ ایک اعلیٰ مقام کے لیے سالک کو تیار کیا جائے اور یہ آگ ایسے محسوس ہوتی ہے جیسے جسم کے ہر ایٹم کے الیکٹرون اپنے اپنے مرکز کے گرد گردش کر رہے ہیں اور الیکٹرانوں کا بہاؤ ایک ایٹم سے دوسرے ایٹم میں شروع ہو جاتا ہے۔اور جسم میں بجلی کی سرگرمی پیدا

ہو جاتی ہے کیونکہ الیکٹرون کے بہاؤ کو بجلی کہتے ہیں اس لیے اس بہاؤ سے آگ بھی پیدا ہو سکتی ہے اور یہ آگ صرف صاحبانِ معرفت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس دوران نیند بالکل اڑ ہو جاتی ہے۔ بھوک بہت کم لگتی ہے مگر سالک کو ایک خاص قسم کی غذا اس کے جسم کے اندر سے فراہم ہوتی ہے اور یہ محسوس کرتا ہے کہ مجھے غذا مل رہی ہے مگر وہ دنیاوی غذا بظاہر نہیں کھاتا۔ لیکن ظاہری غذا نہ لینے کے باوجود سالک اپنے آپ کو طاقتور اور توانا محسوس کرتا ہے اور اس دوران جسم کا نظام پہلے سے لاکھ درجے بہتر کام کرتا ہے۔ دماغی حالت اعلیٰ ہو جاتی ہے۔ انسان خوشبوؤں کا منبع بن جاتا ہے اور اپنی خوشبو سے خود بھی لطف اندوز ہوتا ہے اور باقی لوگ بھی۔

فنافی الرسول:

سالک وجودِ نبی میں محو ہو جاتا ہے یہ زینہ فنافی الرسول ہے۔ یہ دوسرا درجہ ہے یہ مقام فنافی الشیخ سے اعلیٰ ہے۔ سالک اس سے قبل حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا سالک کو حضور پاک کی صورت اور جسم کا صحیح اندازہ ہوتا ہے لہٰذا اس مقام کے آتے ہی سالک کو خبر ہو جاتی ہے کہ یہ مقام فنافی الرسول ہے اور اپنے جسم کو نبی کے جسم میں محو سمجھتا ہے یہ مقام سالک کو اعلیٰ رفعت سے آشنا کرتا ہے۔ اس مقام پر سالک کو حضور پاک کا علم لدنی عطا کیا جاتا ہے اور حضور پاک کے خلیفہ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ لیکن یہ مرتبہ ہر سالک کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ مرشد کامل ہی اس مرتبہ سے واصل کرا سکتا ہے۔ لہٰذا مرشد کا مقام بڑا اعلیٰ ہے۔ اکثر سالکانِ طریقت فنافی الشیخ ہی میں رہتے ہیں اور فنافی الرسول اور فناء فی اللہ کا مقام بہت کم سالکان کو حاصل ہوتا ہے۔

فنافی اللہ:

سالک تمام متعلقہ مدارج و مراتب وصفات عروج ونزول طے کر کے ذاتِ حق تعالیٰ میں محو ہو جاتا ہے اس کا زینہ فنافی اللہ ہے اور یہ مقام اتحاد کا ہے اور نہ حلول کا۔ اتحاد اور حلول دو ہستیوں کے تصور سے وقوع پذیر ہوتا ہے صوفیائے کرام کی تحقیق کے مطابق ہستی کا وجود ایک ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ

ہے۔ باقی تمام وجود اضافی اعتباری اور وہمی ہیں۔ اس مقام پر انسان ذاتِ حق میں گم ہو جاتا ہے اس لیے اس مقام کو فنا فی اللہ کہا گیا ہے۔ اس مقام کو سیر فی اللہ بھی کہا گیا ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ لامحدود ہے۔ اس لئے کوئی انسان چاہے تو ساری عمر لیکن موت کے بعد قیامت تک اور قیامت کے بعد بہشت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس روحانی ارتقاء کے سفر کو جاری رکھے گا اور پھر بھی یہ سفر سیر فی اللہ فتح نہ ہو گا۔ اس مقام پر انسان کو تمام وجود کی سیر کرائی جاتی ہے۔ بعض سالک فنا فی الوجود میں ہی اپنے وجود کی سیر کر لیتے ہیں اور اسی دوران اپنی من کی دنیا سے آشنا ہو جاتے ہیں اور بعض فنا فی اللہ پر آ کر اپنے وجود کی کتاب سے آشنائی حاصل کرتے ہیں۔ انسان ایک کتاب ہے اور اس کتاب میں جو راز رب تعالیٰ نے رکھ دیئے ہیں وہ کسی اور کتاب میں نہیں۔ یہ ایک انوکھا راز ہے۔ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''بندہ میرا خاص راز ہے اور میں اس کا راز ہوں''۔ لہٰذا انسان کی کتاب خدا کا خاص راز ہے اور اس راز کو راز دان (ولی کامل) ہی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ راز داں راز دانِ یزداں ہوتے ہیں۔ اس مقام پر انسان کو لوحِ محفوظ کے مقام سے بھی آشنا کرایا جاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے۔ ؎

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اس مقام پر انسان کو خلیفۂ رب ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور اس کو وہ تمام اختیارات دیئے جاتے ہیں جو کسی خلیفہ سلطنت کے ہوتے ہیں اور اگر کوئی رب کا خلیفہ ہو تو اس کو پوری کائنات پر اختیارات اللہ اپنی رحمت سے عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ پوری کائنات کا مالک ہے۔ روایت میں آیا ہے۔ ''جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے''

آپ غور فرمائیں اللہ جس کا ہو جائے سب کچھ اس کا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی وزیر یا وزیر اعظم یا صدر مملکت آپ کا ہو جائے اور آپ جو چاہیں وہ پورا کرے تو آپ کی خوشی اور خوش نصیبی کی انتہا نہ ہو گی۔ جس خوش نصیب کا اللہ اپنا ہو جائے تو اس کی خوشی اور کامیابی کے متعلق آپ کیا تصور کریں گے۔

بس ہوتا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اس کے حوالے کر دیتا ہے۔اور فرماتا ہے جو چاہو کرو، میرے حکم سے۔ کیونکہ وہ نائب حق ہوتا ہے۔اور اللہ کا محبوب (منتخب شدہ) بھی ہوتا ہے۔ لیکن کمال ادب سے مرد کامل مرد قلندر اللہ کی عطا کی ہوئی ساری نوازشیں ،عطائیں پھر اللہ کے قدموں میں ڈال کر محکوم اور غلام بن جاتا ہے۔ کیونکہ اسی میں اس کو زیادہ مزہ میسر ہوتا ہے۔اس مقام پر بعض خوش نصیب سالکان کو جنت و دوزخ کا نظارہ بھی کرایا جاتا ہے۔

مقالاتِ روحانیت

پیرومرشد سرکار حضرت ابوانیس محمد برکت علی قدس سرہٗ

علم وفقر دو علیحدہ علیحدہ منازل نہیں ہیں، نہ ہی ایک دوسرے سے جدا ہیں۔علم پرعمل ہی کا اصطلاحی نام فقر ہے۔شریعت علم ہے،اس پرعمل کا نام طریقت ہے۔شریعت کے باہر کوئی چیز نہیں۔

......علم و فقر......

(یہاں علم سے مراد وہ علم مراد ہے، جس علم پر عمل نہیں کیا جاتا)۔

علم میں خودی اور فقر میں بے خودی ہے

علم سراپا ہستی اور فقر سراپا مستی ہے

علم راہ کا متلاشی اور فقر راہ کا راہبر ہے

علم دین کی زینت اور فقر دین کی آبرو ہے

ہر راہ۔راہی کو شہر تک پہنچا کر ختم ہو جاتی ہے۔شہر میں منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے ایک ایسے راہبر (مرشد کامل) کی ضرورت ہوتی ہے جو منزلِ مقصود کا واقف ہو۔اس لئے کہ۔

جسے خود خبر نہیں............کسی کو کیا خبر دے سکتا ہے؟

علم کی درسگاہ فرش پر اور فقر کی عرش پر ہوتی ہے۔

(یعنی علم پڑھا جاتا ہے اور فقر کا علم وہبی طور پر اللہ تعالیٰ عطا کرتے ہیں)

علم کتاب سے اور فقر نظر سے حاصل کیا جاتا ہے۔

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر

علم و حکمت از کتب دیں از نظر (اقبالؒ)

☆ علم میں حجاب اور فقر میں حضوری (یعنی مشاہدہ) ہے۔

☆ علم حاصل کیا جاتا ہے اور فقر عطا کیا جاتا ہے۔

☆ علم میں شہرت ہے اور فقر میں گمنامی ہے۔

☆ علم تن کو اور فقر من (روح) کو صاف کرتا ہے۔

☆ علم میں حکم اور فقر میں محبت کارفرما ہوتی ہے۔ اور حکم محبت کی کبھی برابری نہیں کرسکتا!

☆ علم کی حد فتویٰ اور فقر کی حد تقویٰ ہے۔۔ فتویٰ محدود اور تقویٰ لامحدود ہے۔

☆ علم میں انتقام اور فقر میں درگزر ہے۔

☆ علم میں تدبر اور فقر میں صبر ہے۔

☆ علم میں تمنا (خواہشات) اور فقر میں ترک ہے۔

☆ علم میں تنقید اور فقر میں تحسین ہے۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ (اقبالؒ)

☆ علم محدود اور فقر لامحدود ہے۔

☆ علم راہ بتاتا ہے اور فقر میل کراتا ہے۔

☆ علم ہٹ جاتا ہے اور فقر ڈٹ جاتا ہے۔

☆ علم میں فنا اور فقر میں بقا ہے۔

☆ علم محوِ حیرت اور فقر محوِ جمال ہے۔

(مکشوفات منازلِ احسان)

(حصہ چہارم)

عام بندے، خاص بندے اور خاص الخاص بندوں کا مقام

ہر بندہ ہر وقت ان تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں رہتا ہے۔

1- عام بندے مخلوق کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

2- جس خوش نصیب بندے پہ اللہ راضی ہو کر اسے اپنے قریب کرنا چاہتے ہیں، اسے اپنے نفس کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں۔ یہ خاص آدمیوں کا مقام ہے۔

3- جس بندے کو اللہ اپنا دوست بنا لیتے ہیں، اسے اپنی ذات کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور یہ خاص الخاص بندوں کا مقام ہے۔

بندہ جب اللہ کے لطف و کرم سے اپنی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ مخلوق سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا، اسے کسی مخلوق سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔

پھر جب

اللہ کی رحمت جوش میں آ کر اسے اپنی ذات کی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ پھر اسے اپنے نفس کی ہستی سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ اللہ ہی کی طرف محو ومنہمک ہو جاتا ہے۔ اور یہ عبدیت کا آخری مقام ہے۔

ہم سب مخلوق کی طرف متوجہ ہیں

نہ اپنی طرف متوجہ ہیں ------ نہ اللہ کی طرف۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہر وقت ہر حال میں زندگی کی کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں۔ کسی ایک مقام پر نہیں ٹھہرتے۔

اللہ جب

بندہ کو اپنی مخلوق کی حقیقت سے باخبر کر دیتے ہیں اس وقت مخلوق سے مستغنی و بے نیاز ہو کر وہ اپنے تمام تعلقات منقطع کر لیتا ہے۔ کسی پر کوئی بھروسہ نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی سے کوئی امید رکھتا ہے۔ اللہ کی مخلوق سے منقطع ہو کر اللہ سے اس کی بھلائی اور عافیت کی دعائیں کرتا رہتا ہے۔ کسی کا بھی بدخواہ نہیں ہوتا۔

اس ایک نقطے پر کڑی غور کریں

اللہ جس بندے کی توجہ مخلوق سے اٹھا کر اسے اپنے نفس کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں۔ وہی بندہ جب اپنے نفس کی حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے۔ اپنی ذات سے بے خبر و بے گانہ ہو کر اللہ کی ذات میں محو ہو جاتا ہے۔

گویا

بندے کا اپنے نفس کی طرف متوجہ ہونا اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا ابتدائی مقام ہے۔ پھر اس وقت اسے نہ مخلوق سے کوئی دلچسپی رہتی ہے نہ اپنی ذات سے...... اور...... وہ ہر وقت ہر حال میں اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اللہ کی ذات قدس میں محو و منہمک رہنے والے اللہ کے خاص بندے ہوا کرتے ہیں۔

مکشوفات منازلِ احسان (حصہ چہارم)

راہِ طریقت کا راہی علوم روحانیت سے کیونکر فیضیاب ہو سکتا ہے؟

بندے کا (یعنی طالبِ طریقت و روحانیت) کا بندے (شیخ کامل) کے پاس جانا اسی صورت میں باعث برکت اور ذریعہ نجات ہو سکتا ہے کہ وہ طالبِ حق بن کر آئے۔ اللہ کے لیے تگ و دو کرو۔ اگر ایسا نہیں ہے۔۔۔تو کیا فائدہ آنے جانے کا! جس کپڑے نے رنگریز کے رنگ کو قبول نہ کیا، اس سے رنگ اور رنگریز دونوں کی قدر نہ ہوئی اور خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ پس بندہ بندے کے پاس اللہ کا طالب بن کر آئے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی دوسری تمنا نہ ہو۔ پھر دیکھیں کہ اس کو کیا کچھ عطا نہیں ہوتا! اور وہ عطا اس کے لیے یقیناً خیر و برکت کا بین ثبوت ہوگی۔ مگر لوگ آتے ہیں حوائج دنیا کے حصول کے لیے کسی ایک کا بھی مقصد خالصتاً للہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے بندے اللہ کے بندے کے پاس جا کر حقیقتاً کامیاب و کامران نہیں ہوتے۔ انسان کی کامیابی اور فلاح جستجوئے حق میں ہے۔ علاوہ

ازیں، تمام باتیں مکاری اور عیاری پر دال ہیں اور بس! اللہ تعالیٰ جستجوئے حق کی خالص توفیق اپنے بندوں کو بحق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عطا فرمادیں۔ آمین ثم آمین: ۔ جو طالب حق بن کر آئے ہیں واللہ! فیضانِ نظر سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ جو کسی کے پاس اللہ کی طلب لے کر جاتے ہیں، پوری مراد پاتے ہیں۔ کبھی خالی نہیں آتے۔ اللہ کے بندے اللہ کے طالب کے طالب ہیں۔ اللہ کے بندوں کی نظر کیمیائی اثر رکھتی ہے۔ مردِ حق کی نظر کیمیا اثر طالبِ حق کے لیے سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے۔ آنِ واحد میں زنگ آلودہ دل صیقل بن جایا کرتا ہے۔ سیہ کاریوں سے آئینہ قلب، جو مکدر ہو چکا ہے، مردِ خود آگاہ کی ایک نگاہ اسے تاباں و درخشاں بناتی ہے کہ اس کی درخشانی اور تابانی آفتاب و ماہتاب کے لئے باعث صد رشک و افتخار ہوا کرتی ہے۔ مگر...... جہاں دل کا آئینہ گونا گوں دنیاوی تاریکیوں اور کوتاہیوں سے منبع ظلمت بن چکا ہو اور پھر ایسی حالت میں جب اسے کسی اللہ کے بندے کی حاضری کا موقع ملے تو وہ فرسودہ اور بیہودہ قصہ یعنی ہوس دنیا، ہوس اقتدار، ہوس زر و مال، ہوس عز و جاہ، ایسے بیش قیمت اور صد غنیمت موقعہ پر بھی وہ دنیاوی چکر سے باہر نہ نکل سکا۔ اور دامن حصول دنیا کی خار دار جھاڑیوں سے بچا نہ سکا تو پھر ''نگاہ'' کیا کرے۔

نگاہ اسی صورت میں کارگر ہوگی کہ دل میں جستجوئے حق کا جذبہ موجزن ہو اور اس راہ میں اس کی طلب بالکل ہی مبنی بر صداقت ہو۔ سوائے تلاشِ حق، اس کی خواہش اور تمنا کوئی دوسری نہ ہو۔ پھر دیکھیں نگاہ کیا کام کرتی ہے؟

مردِ حق آگاہ کی نگاہ آج بھی اپنے اندرو ہی صبح نمایاں لئے ہوئے ہے۔ اس میں آج بھی وہ برق پاشیاں موجود ہیں، اس کی شعلہ سامانیاں اب بھی بدستور قائم ہیں۔ مگر کمی ہے تو صرف جویائے راہِ حق کی! چنانچہ حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

وہ آتش آج بھی تیرا نشیمن پھونک سکتی ہے
طلب صادق نہ ہو تیری تو پھر کیا شکوۂ ساقی

پس بندہ فیضان نظر سے تب ہی مستفید ہو سکتا ہے کہ وہ تلاش حق کا خالص متلاشی ہو اور اللہ

کے بندے کے پاس سراپا خلوص وعقیدت بن کر حاضری دے۔ کسی مردحق آگاہ کی نظر کیمیا اسے قعرِ مذلت سے اٹھا کر ہمدوش ثریا بنادے گی۔ کیونکہ مرشد روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

از نگاہِ عشق خارا شق شود
مردِ حق آخر سراپا حق شود

یعنی سخت ترین پتھر نگاہ عشق سے توڑا جاسکتا ہے اور بالآخر مردِ حق، سراپا حق بن جاتا ہے۔

مکشوفات منازلِ احسان (حصہ چہارم)

علامہ محمد اقبالؒ اور روحانیت

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

علامہ اقبالؒ کے نزدیک ہر شخص کی انفرادی خودی ہے جس کا انسان خود مرکز ہے۔اس خودی کا انتہائی کمال انسان میں ہے جو انسان کی زندگی کو حرکت میں لاتا ہے اور تخلیق کی صورت میں زندگی کو بقا (حیاتِ جاودانی) عطا کرتا ہے اور اس کے سبب وہ خدا کے انوار اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔حیات ایک انجذابی حرکت ہے۔جس میں خدا کی صفات کو جذب کیا جاتا ہے اور اس سے انسان کی راہ کی تمام رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔اس پر خودی (روحانی قوت) کے اسرار جب منکشف ہو جائیں تو قطرہ گوہر تابدار بن جاتا ہے اور سبزہ زمین کے سینے کو چاک کر کے باہر نکل آتا ہے۔خودی وہ نور ہے جو مٹھی بھر خاک کو کیمیا (سونا) بنا دیتا ہے۔ایسی حالت میں وہ تسخیر کائنات کا مالک بن جاتا ہے اور اس کی زد میں پوری کائنات آجاتی ہے۔ (اسلام اور روحانیت اور فکر اقبالؒ)

فقر مومن چیست تسخیر جہات

بندہ از تاثیر او مولا صفات

(مومن کا فقر یہ ہے کہ جہات کو مسخر کرے، بندہ فقر کی تاثیر سے خدا کی صفات پا لیتا ہے)۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے

بوسہ زن بر آستانِ کاملے

(اپنی مشتِ خاک کو کیمیا بنا لے (ایسا کرنا ہے تو) کسی کامل کے آستانے پر بوسہ زن ہو جا)

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر جس فقر کی اصل ہے حجازی!

اس فقر سے آدمی میں پیدا اللہ کی شانِ بے نیازی!

روشن اس سے خرد کی آنکھیں　　　بے سرمہ بو علیؒ و رازیؒ!
یہ فقرِ غیور جس نے پایا　　　بے تیغ و سناں ہے مردِ غازی!
مومن کی اسی میں ہے امیری　　　اللہ سے مانگ یہ فقیری!

(ضربِ کلیم)

فقر سوز و درد و داغ و آرزو وست
فقر را در خوں تپیدن آبرو وست

(فقر مومن کی آرزوؤں کا سوز، درد اور مفارقت کا داغ ہے، فقر کے لیے اپنے ہی خون میں جلنا باعث آبرو ہے۔　(پس چہ باید کرد)

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی　　　نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں سے ارادت ہو تو دیکھ ان کو　　　ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو فقر مجھے ملا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق سے ملا ہے۔ اگر ان کا عشق نہ ہوتا تو میری تمام عبادات اور کوششیں کبھی بار آور نہ ہوسکتیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے کہ:

ع　　"اگر عشق نہ بودے بخدا کس نہ رسیدے"

(اگر عشق نہ ہوتا تو کوئی بھی خدا تک نہ پہنچ سکتا)

شوکتِ سنجر و سلیم ترے جلال کی نمود
فقرِ جنیدؒ، با یزیدؒ تیرا جمال بے نقاب
شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب

(بالِ جبریل)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اس فقر کا اعجاز یہ ہے کہ میں خیر و شر کا راز داں بن گیا ہوں اور

مجھے حیاتِ جاوداں مل گئی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ فقر ملا جس سے میں صاحب فقر بن گیا ہوں اور راہِ حیات کی تمام منزلوں کو پہچانتا ہوں۔ ایسا فقیر نورِ خودی سے اللہ کو دیکھتا ہے اور اپنے اندر توحید کے اسرار ملاحظہ کرتا ہے۔

رازدانِ خیر و شر گشتم ز فقر
زندہ و صاحب نظر گشتم ز فقر

(میں فقر کے ذریعے ہی رازدانِ خیر و شر بن گیا ہوں، اور فقر کی وجہ سے ہی زندہ وجاوید اور صاحب نظر بنا ہوں)۔ (اسلام اور روحانیت اور فکر اقبالؒ)

فقر روحِ عشق ہے

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع دیں بتکدہ و تصورات

تصوف وطریقت، عشقِ خدا اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اور کچھ نہیں، اس میں ان دونوں سے شدید محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ اور محبت مرشد کو اس (فقر) کا وسیلہ بنایا جاتا ہے اس لئے مذہب عشق کے قوانین تمام دیگر مذاہب سے الگ ہیں۔ طریقت وسلوک الی اللہ میں مقصود کو حاصل کرنے کے لئے مسلسل لگن، جذبہ اور جگر سوز تڑپ و چاہت پیدا کی جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اہل طریقت تھوڑی سی مدت میں وہ مقام (منزل قرب الٰہی) حاصل کر لیتے ہیں جو زاہد خشک سالہا سال میں اس کے قریب بھی بھٹک نہیں پاتا۔ یہی عشق فقر کی روحِ رواں ہے۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں، بھی کافر و زندیق
زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ

عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام
عشق دم جبرئیلؑ ، عشق دلِ مصطفیٰؐ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام

(بال جبریل)

☆ **عشق حقیقی** لازوال ہوتا ہے، ابدی ہوتا ہے، کیونکہ اس کی بنیاد خدائی تعلق، روحانی دنیا، عالم بالا اور نیکی پر ہوتی ہے۔ خدا کا سچا عاشق آخر کار خود خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ خدا جس سے محبت کرے گا کیا زمانے کی گردش اسے فنا کر سکتی ہے؟ مردہ چیزوں اور فانی انسانوں سے عشق ـ ـ ـ ـ فنا کا سبب بنتا ہے۔ ایسے انسان بے نام ونشاں بن جاتے ہیں خواہ بڑے بڑے جابر و قاہر بادشاہ ہوں۔ مگر خدائے زندہ سے محبت کرنا، اس کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور عشق میں زندگی گزارنا۔ ''**حیات جاوداں**'' حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ اور اس حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ جب بندہ مومن خدا کا عشق اختیار کر لیتا ہے۔ اپنی زندگی خدا کے امور کے انجام دینے کے لیے کلیتاً وقف کر دیتا ہے تو اس کی زندگی میں بھی حرکت مسلسل اور ابدیت کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ جب مومن اپنے قول وفعل میں اللہ کی دلیل اور قرآن کا عملی نمونہ (یعنی اسوہ حسنہ کا پرتو) بن جاتا ہے تو وہ ابدیت کا حامل اور کئی زمانوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کیا خدا کی دلیل اور قرآن کسی خاص دور تک محدود ہے؟ ظاہر ہے کہ ہمارا جواب نفی میں ہوگا۔ جب صورت حال یہ ہے تو پھر بندہ مومن کا عشقِ حقیقی بھی صرف موجودہ زمانے پر منحصر نہیں ہو سکتا۔ اقبالؒ نے اس حقیقت کو بیان کیا:

ع   ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

جس کا دل عشق (الٰہی) کی بنا پر زندہ ہو گیا وہ کبھی موت کا شکار نہیں ہوتا۔ یعنی جیسے عام انسان کو موت گمنامی کے سمندر میں پھینک دیتی ہے اور چند دن بعد اس کا دنیا میں نام لینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ایسا صاحب عشق کا حال کبھی نہیں ہوتا۔ وہ حیات جاوداں پا جاتا ہے۔ ماشاء اللہ!

☆☆☆☆☆☆☆

طبقات و مدارج اولیاء اللہ

قطبِ مدار: قطب مدار دنیا میں ایک ہوتا ہے جو خداوند کے حکم سے باطنی طور پر حکمرانی کرتا ہے۔ ان کو غوثِ زماں بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے نیچے دو قطب ہوتے ہیں۔ ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب۔ پھر ان دونوں اقطاب کے ماتحت اور بزرگ ہوتے ہیں جن کو ابدال، اوتاد وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے اور جن کے سپرد دنیا کے مختلف علاقے اور مختلف کام ہوتے ہیں ان کو رجال الغیب یا اولیائے مکتوم کہا جاتا ہے۔

(کشف المحجوب)

ابدال: بدل کی جمع ہے۔ ابدال کیلئے واجب ہے کہ قطب کے پاس آئیں۔ اس کی ارادت میں رہیں۔ اس کے حکم پر چلیں۔ کبھی قطب ابدال اور قطب ارشاد ایک ہی ذات ہوتی ہے۔ یعنی ایک ہی شخصیت کو دونوں مرتبے عطا ہو جاتے ہیں۔

مقامِ ابدالیت: ابدال کو اس وجہ سے بھی ابدال کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے بدن مکتسب (جسم روحانی، جسم مثالی) کو اپنے بدل (جسم عنصری کے عوض) میں ایک جگہ چھوڑ کر خود دوسری جگہ چلے جاتے ہیں یا خود (جسم عنصری کے ساتھ) وہاں رہتے ہیں اور بدن مکتسب کو دوسری جگہ بھیج دیتے ہیں

(شرح فتوح الغیب)

غوث: بعض بزرگوں کے نزدیک قطب اور غوث ایک ہی چیز ہے۔ مگر بقول حضرت محی الدین ابن عربیؒ قطب الاقطاب اور غوث جدا ہیں۔

مقام و شان قلندر: صوفی منتہٰی جب مقصد کو پہنچتا ہے، قلندر ہو جاتا ہے۔ ذکر قلندر حق ہے جس سے تمام جہان مستحق یعنی مستفیض ہوتے ہیں۔ قلندر کا دین دانا ہے جو تمام جہان پر توانا ہے۔ قلندر کی

دنیا تفرید یعنی ذاتِ حق میں محویت تامہ ہے جو توحید کی بشارت دیتی ہے یعنی جس کی وجہ سے قلندر ذات حق میں ایک ہو جاتا ہے۔ قلندر کا علم سہو ہے یعنی اپنے آپ کو بھول جانا اور حق رہ جانا ہے، قلندر کا عمل محو ہے یعنی ذات حق میں محو ہو جانا اور قلندر کا طریق عشق ہے، عشق کیا ہے، اللہ ہے۔

(رسالہ قلندریہ از شاہ نعمت اللہ ولیؒ)

(اقتباس الانوار)

مقام و مرتبہ محبوبیت: جب ولی کامل مراتب قطبیت و فردانیت طے کر کے مرتبہ محبوبیت یعنی مرتبہ معشوقی پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کی ذات پاک اسرار الٰہی کا مظہر بن جاتی ہے اور ان کا ارادہ حق سبحانہٗ کا ارادہ بن جاتا ہے اور ان کا جسم سراپا عطریات غیبی سے معطر ہو جاتا ہے اور جو شخص ان کے قریب جاتا ہے وہ بھی اس خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے۔ بلکہ ان کا پورا گھر عنبر و مشک بن جاتا ہے اور جب وہ قبر میں جاتے ہیں تو قبر بھی معطر ہو جاتی ہے۔

عارفِ کامل: عارف وہ ہے جسے ذات و صفات کا مشاہدہ باطنی حاصل ہو اور جملہ موجودات کی حقیقت و ماہیت سے آگاہ ہو اور مراتب عروج و زوال سے گزر کر مقام **مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ** اس کا حال ہو اور رویت ربی کے اسرار اس پر منکشف ہوں اور اسماء و صفات کے از روئے تحقیق و مکاشفہ جاننے والے کو بھی عارف کہتے ہیں۔ اور ذات کے عارف کو موحد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ عارف، اعتقادی طور پر حق الیقین کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے۔ عارف کامل کو یہ کمال بھی حاصل ہوتا ہے جو تمہارے دل کی باتیں کہے اور تم خاموش بیٹھے سنتے رہو۔ جسے کشف القلوب حاصل ہو۔ کشف اختیاری چیز نہیں بلکہ بفضل باری تعالیٰ ہی حاصل ہوتا ہے۔

مجذوب: سالک کی ضد ہے۔ حدود شریعہ کی پابندی سے راہِ معرفت طے کرنے والا سالک کہلاتا ہے اور عالم امر کا پرتو (یعنی تجلّی الٰہی) جس کے ظاہر حواس کو مغلوب کر دے اور حدود ظاہرہ شریعت کی پابندی سے وہ الگ ہو جائے (بوجہ غلبہ محبت الٰہی) مجذوب کہلاتا ہے۔

رند: جو رموز و حقائق کو بے پردہ اور برملا بیان کرے، رند کہلاتا ہے۔

درویش: اللہ تعالیٰ کے سچے طالب اور سچے عاشق کو کہتے ہیں۔

اوتاد: اولیائے کرام میں یہ بمنزلہ پہاڑ کے ہوتے ہیں جن سے زمین کی سرسبزی بھی مقصود ہے۔ قیام عالم میں ان سے میخوں کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ زمین کے چاروں اطراف میں متعین ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف درجات رکھنے پر ان کے الگ نام کتبِ تصوف میں ہیں جیسے نجباء، اخیار، ابرار، نقباء، عمد، مکتوبان اور امامان و مفردان وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کے خاص بندے

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا وجود مسعود حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر نبی آخر الزماں ﷺ تک رہا ہے اور حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر ظہور امام مہدی علیہ السلام اور نزول عیسیٰ علیہ السلام تک رہے گا۔ کائنات کے قیام اور نظام کا دار و مدار انہی مردان خدا پر ہے۔ عبد و معبود کے درمیان کا رشتہ انہی کی تعلیمات و ہدایات پر قائم ہے۔ امور تکوینی کے انصرام اور تصرفات کونیہ کی قدرت سے مشرف ہوتے ہیں۔ ان کی برکات سے بارشیں برستی ہیں، نباتات پر سرسبزی آتی ہے۔ کائنات ارضی پر مختلف قسم کے حیوانات کی زندگی انہی کی نگاہ کرم کی مرہون منت ہے۔ سلاطین کے عروج و زوال، انقلاب زمانہ، اغنیاء و مساکین کے حالات میں رد و بدل۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کو دی ہوئی کروڑوں طاقتوں کا مظاہرہ انہی کے اختیار میں ہے۔ آفتاب عالم تاب خداوند تعالیٰ کے عطا کردہ نور سے تمام کائنات کو روشن رکھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے غیب الغیب سے ایک نور ان حضرات پر وارد کرتا ہے جس سے وہ بنی آدم کے نظام کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

''حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب محبت کرتا ہے اللہ سبحانہٗ کسی بندے سے تو پکارتا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اور یہ فرماتا ہے کہ بیشک اللہ سبحانہٗ نے فلانے کو دوست رکھا سو تو بھی اس کو

دوست رکھ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر پکار دیتے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمان والوں میں (یعنی فرشتوں میں) کہ بیشک اللہ سبحانہٗ فلانے کو دوست رکھا ہے سو تم بھی اس کو دوست رکھو تو آسمان والے اس سے محبت رکھتے ہیں پھر اس محبوب بندے کی زمین پر قبولیت اتاری جاتی ہے۔ (یعنی زمین کے نیک لوگ اس کو مقبول جانتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں)''۔

ابو ہریرہؓ بخاریؒ (مشارق الانوار ص ۵۶۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق میں تین سو بندے اللہ تعالیٰ کے خاص تعلق والے ہوتے ہیں جن کے دل حضرت آدم علیہ السلام کے مناسب ہوتے ہیں اور چالیس وہ ہوتے ہیں جن کے دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مناسب ہوتے ہیں اور سات ایسے ہوتے ہیں جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے مناسب ہوتے ہیں اور پانچ ایسے ہوتے ہیں جن کے دل حضرت جبرائیل علیہ السلام کے مناسب ہوتے ہیں اور تین ایسے ہوتے ہیں جن کے دل حضرت میکائیل علیہ السلام کے دل کے مناسب ہوتے ہیں اور اللہ کی مخلوق میں ایک بندہ ایسا ہوتا ہے جن کا دل حضرت اسرافیل علیہ السلام کے دل کے مناسب ہوتا ہے۔ جب ایک فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں تین میں سے ایک چن لیتا ہے۔ جب تین میں سے ایک مر جائے تو اس کی جگہ پانچ میں سے ایک داخل کیا جاتا ہے اور جب پانچ میں سے ایک مر جائے تو اس کی جگہ سات میں سے ایک داخل کیا جاتا ہے اور جب سات میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کی جگہ چالیس میں سے ایک داخل کیا جاتا ہے اور جب چالیس میں کوئی فوت ہو جائے تو اس کی جگہ تین سو میں سے داخل کیا جاتا ہے اور جب تین سو میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کی جگہ عام لوگوں میں سے ایک شامل کیا جاتا ہے۔ پس ان کے سبب اللہ تعالیٰ زندگی، موت، بارش، پیداوار اور مصیبتیں دور فرماتا ہے۔ (اسے ابونعیمؒ نے حلیہ میں اور ابن عساکرؒ نے روایت کیا ہے)۔

(کنز العمال الجزء السادس ص ۲۳۹)

حضرت نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ ''عرفان'' حصہ اول صفحہ ۲۹۴ پر رقم طراز ہیں:

مبارک ہیں وہ مسعود وجود جن کے مبارک دم سے آسمان سے بارشیں ہوتی ہیں۔ زمین بار آور ہوتی ہے۔ دنیا سے طرح طرح کی آفات اور مصائب ٹلتی ہیں۔ ان کے آبرو کے ایک ادنیٰ اشارے سے دنیا کی بڑی بڑی مشکلیں سر ہوتی ہیں۔ ان کے باطنی ہاتھ کی ایک جنبش بادشاہوں کے تاج اور تخت الٹ دیتی ہے۔ ان کے لطف کی نیم نگاہ مفلس گداگروں کو تاج اور تخت کا مالک بنا دیتی ہے۔ وہ اگر دنیا میں بے کار نظر آتے ہیں تو اس لئے کہ وہ عالم جاودانی کے بے تاج بادشاہ ہیں اور باطن میں روئے زمین کے حقیقی مالک ہوتے ہیں۔

اولیائے کاملین کی تشریح کرتے ہوئے لکھا:

''امت محمدی ﷺ کے اندر باطنی لوگوں کا ایک گروہ ہوتا ہے جنہیں اہل تکوین متصرفین کہتے ہیں اور رجال الغیب بھی کہتے ہیں اور یہ گروہ درجہ وار غوث، قطب، اوتاد، ابدال، نجباء، نقباء اور اخیار پر مشتمل ہوتا ہے۔ غوث یا قطب ان سب کا سردار ہوتا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باطنی جانشین یا نائب اور خلیفہ ہوا کرتا ہے۔ غوث ہمیشہ دنیا میں ایک ہوتا ہے وہ خود قطب ارشاد کا کام بھی کرتا ہے۔ اس کے نیچے تین قطب ہوتے ہیں۔ ان کے ماتحت سات اوتاد ہوتے ہیں اور اوتاد کے نیچے چالیس ابدال کام کرتے ہیں ان کے ماتحت نجباء، نقباء اور اخیار ہوا کرتے ہیں۔ یہ کل تین سو ساٹھ اولیاء اللہ کا باطنی محکمہ ہوتا ہے۔

(عرفان حصہ اول ص ۳۳۵)

عارف رومیؒ نے اپنی مثنوی میں اولیائے کرام کا تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں:

ہم سلیمان ہست اندر دور ما   کہ دہد صلح و نماند جور ہا

''ہمارے زمانہ میں بھی سلیمانؑ (وقت) موجود ہیں جو (خلق اللہ میں) صلح کرا سکتے ہیں۔ اور (پھر) ظلم وستم کا نشان نہ رہے گا۔ (ان کی طرف رجوع کرنا چاہیے)''۔

مطلب: مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دنیا کا کوئی زمانہ اولیائے کاملین کے وجود سے خالی نہیں ہو سکتا۔ جس میں اقطاب، ابدال، اوتاد اولیاء کبار موجود نہ ہو۔ دنیا کا قیام ہی ان کی برکت

سے ہے اگر اولیائے کاملین نہ ہوں تو دنیا کا نظام کبھی کا درہم برہم ہو جائے اور یہ بات بالکل صحیح ہے۔

(مثنوی معنوی۔ دفتر دوم حصہ چہارم ص ۲۳۳)

محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ''اولیاء کرام وابدال'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''اذن خداوندی کے تحت تم خود کو مخلوق سے فنا کردو اور اپنی خواہشات کو حکم الٰہی کے تابع کر دو اور اگر واقعی تم مومن ہو تو خدا کی ذات پر مکمل اعتماد کے ساتھ اپنے عزائم کو افعال خداوندی کے حوالے کر دو۔ پھر جب تم ایسا کرو گے تو تمہارے اندر علم خداوندی کا ظرف بننے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی ......اور تمہارے اعضاء کو سکون، تمہارے قلب کو طمانیت اور شرح صدر ہو کر تمہارا چہرہ سنور جائے گا اور تمہارا باطن آباد ہو جائے گا اور تمہارا رب تمہارا معلم بن جائے گا۔ پھر تمہیں نورانی حلے عطا کر کے باطنی علوم والے (یعنی اولیائے کاملین) کے زمرے میں شامل کر دیا جائے گا اور استقامت کی بھی یہی وہ منزل ہے جس کی طلب میں ماقبل کے اولیاء وابدال رسائی حاصل کر چکے ہیں۔

(فتوح الغیب اردو......ص ۱۴)

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''فصوص الحکم'' صہ ۱۲۲ پر لکھتے ہیں کہ:

انسان کامل کا ہر زمانے میں ہونا ضروری ہے......انسان کامل کے دو درجے ہیں۔

(۱)...... انسان کامل بذات: جو ساری خدائی میں ایک اور باعث ایجاد خلق اور عین الاعیان ہے وہ حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

(۲)...... انسان کامل بالعرض: جو ہر زمانے میں زیر پرتو محمدی رہتا ہے اور نظر الٰہی اس پر رہتی ہے۔ جب انسان کامل دنیا میں نہ رہے گا تو قیامت برپا ہو جائے گی اور تمام تجلیات الٰہی عالم آخرت میں منتقل ہو جائیں گی۔

(ترجمہ از مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی۔ شائع کردہ نذیر سنز پبلشرز۔ لاہور)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ **کشف المحجوب** صفحہ ۳۰۶ (باب اثباتِ ولایت) میں

فرماتے ہیں۔

اہل بست وکشاد اور درگاہ حق کے پہرہ دار تین سو ہیں اور اخیار کہلاتے ہیں۔ چالیس اور ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں۔ سات اور ہیں جو ابرار مشہور ہیں۔ چار اور جنہیں اوتاد کہتے ہیں۔ تین اور جو نقیب کہلاتے ہیں اور ایک اور جسے قطب یا غوث کہتے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور کاروبار میں ایک دوسرے سے اجازت کے ضرورت مند ہوتے ہیں۔ احادیث اور روایات اس پر ناطق ہیں۔ اہل حقیقت اس پر متفق ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اولیائے کرام کے بارے میں بزرگان دین حضرت جنید بغدادیؒ، ابوالعباس سیاری، حضرت ابوبکر واسطیؒ اور حضرت ابوعبداللہ محمد علی ترمذی رضی اللہ عنہم کے نظریات بھی تحریر فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

''اولیائے کرام حاکمان وقت ہوتے ہیں۔ خدائے عزوجل ان کو جہان کا کارپرداز اور ولی بناتا ہے۔ بندوبست عالم ان کی تحویل میں دے دیتا ہے۔ کوائف حیات ان کی ہمت سے وابستہ ہوتے ہیں لازماً ان کی رائے تمام آراء سے محکم ترین ہوتی ہے ان کے دل تمام دلوں سے شفیق ترین ہوتے ہیں اور وہ درجہ کمال پر متمکن ہوتے ہیں اور صحیح ولایت پر فائز ہوتے ہیں۔

(کشف المحجوب)

رجال الغیب اور روحانی نظام خدمت

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں ایک حوالے سے مندرجہ ذیل تعداد بتائی گئی ہے۔

اخیار	:	تین صد
ابدال	:	چالیس
ابرار	:	سات

نجباء	:	پانچ
اوتاد	:	چار
نقباء	:	تین
قطب	:	ایک

احادیث میں تعداد کا ذکر ہو چکا ہے۔ان سب حوالوں کے مطالعہ سے نتیجہ ظاہر ہے کہ تعداد ہمیشہ ہر دور میں ایک سی نہیں رہتی۔ چنانچہ ہر صاحب وقت نے اپنے دور کی تعداد بیان کردی ہے۔پھر حالات کے مطابق نئی تقرریوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ (فاطر:۱)(پیدائش میں جو چاہے بڑھاتا ہے)۔

ابدالوں کی اس تنظیم کے افراد سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور انہیں اپنے امور میں ایک دوسرے کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہر دور میں تنظیم: ہر دور میں اقطاب کے مراکز مختلف ہوتے ہیں اور غوث کے ایوان الصالحین کا مقام بھی مختلف ہوتا ہے۔کبھی غار حرا ہوتا ہے اور کبھی روضۃ النبی کے اردگرد کے کوئی جگہ۔مگر یاد رہے کہ یہ کوئی ایسی مستقل بات نہیں ہے۔ابدال اور ان کے اقطاب جہاں بھی رہیں ان کے حاسۂ باطنی کے سامنے کوئی امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔لہٰذا معلومات کے طور پر بھی ان مقامات کی کچھ اہمیت نہیں۔واللہ اعلم بالصواب۔

ان اقطاب کی آگے ہر ملک اور شہروں میں روحانی تنظیمیں موجود ہیں جن کے اپنے ابدال اور اوتاد وغیرہ ہیں۔واقعہ یہ ہے کہ عام آدمی کو تو پتہ نہیں چلتا ورنہ گاؤں میں اور شہروں کے ہر محلے میں کوئی نہ کوئی ایسا پراسرار آدمی ضرور ہوتا ہے جو روحانی طور پر لوگوں کے امور میں دخیل ہوتا ہے۔صرف اس قدر فرق پڑتا ہے کہ جہاں آبادی کم ہو وہاں حلقہ ذرا وسیع ہو جاتا ہے۔

چشتیہ طریقہ کے نگران اولیاء اللہ:

جس خطہ میں ہم رہتے ہیں جو مشمولہ ہندوستان و پاکستان ،ایران سے راس کماری تک پھیلا

ہے۔ اس خطہ کی نگرانی چشتیہ سلسلہ کے ولیوں کے سپرد ہے اور اس کے انتظام و انصرام کے وارث ہوتے ہیں۔ سیدی محمد وارث حسین شاہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہندوستان کی ولایت بعداز وصال بھی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ہے اور آپ کی شان جمالی ہے۔ دوسرے خطوں میں دیگر سلاسل کے اولیاء ابدال بنتے ہیں مثلاً عربستان و افریقہ میں قادری اور شاذلی طریقوں کے ولیوں کو خدمت سپرد کی گئی ہے۔

حکمرانوں کے گرد اہل خدمات:

اہل خدمات یا زمرہٴ ابدال کے افراد مختلف صورتوں اور مختلف حیثیتوں میں حکومت کے کلیدی محکموں میں بھی موجود رہتے ہیں۔ خواہ ظاہر میں ان کے پاس کوئی بڑا عہدہ ہو یا نہ ہو۔ مگر وہ قریب ضرور ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ جہاں تک ہو سکے، اپنی روحانی توجہ سے کاموں کو صحیح رخ پر چلانے میں مئوید ہوتے ہیں۔ سیدی حضرت محمد وارث حسین شاہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حکمرانوں کے سپرد چونکہ بہت بڑا کام ہوتا ہے اس لئے اہل خدمات میں سے ان کے محافظ اور دعا گو بھی ہوتے ہیں۔ وہ حاکم خوش قسمت ہے جو ان کی طرف سے القاء یا کسی بھی طرح کی ہدایت پر متوجہ ہوتا ہے اور ان کی بصیرت سے مستفیض ہوتا ہے۔ بحران کے زمانے میں وہ ان میں سے بعض حکمرانوں کے سامنے اپنے تئیں کھل کر پیش کرتے ہیں اور مشورے دیتے ہیں مگر حکمرانوں کو شیطان اس طرح فریب دیتا ہے۔ چونکہ حکمران کو کئی جھوٹے سچے مشورے ہر طرف سے مل رہے ہوتے ہیں، اس لئے وہ بیچارہ حیرانی میں صحیح آدمی کو پہچان نہیں پاتا یا اس کے مشوروں کو اپنی عقل سے سمجھ نہیں پاتا لہٰذا وہ بھی نقصان اٹھاتا ہے اور قوم بھی خسارے میں رہتی ہے۔ پاکستان کے ایک سابق حکمران نے جب اس جہت سے آنے والے مشوروں کو درخور اعتناء نہ سمجھا تو روحانیوں کے دفتر میں ''خر دماغ'' لکھا گیا اور حکومت سے بے دخل ہوا۔ بہر صورت ایسے شواہد موجود ہیں کہ پاکستان میں ہی پچھلے سالوں میں حکمرانوں کو اس طبقے کے لوگ ملتے ضرور رہے مگر وہی ہوتا رہا جو علم الٰہی میں طے تھا۔ **وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا** الاحزاب: ۳۷ (امر الٰہی تو ایسے ہوتا ہے جیسے وہ ہو گیا)

جب کسی ملک کی حکومت بدلتی ہے تو اس کے پیچھے ابدالوں کا ہاتھ ہوتا ہے اس کے متعلق باقاعدہ فیصلہ ہوتا ہے اور ہمیشہ ان کا فیصلہ اور مشیت الٰہی ایک دوسرے کے موافق ہوتے ہیں جس طرح سے وہ حالات کو بھانپتے اور جانچتے ہیں، ظاہر بین لوگ اپنے قیاسات سے ایسا نہیں کر سکتے۔ ان کے سامنے جزوی واقعات پر مشتمل ہنگامی تاریخ نہیں ہوتی۔ وہ تو تقدیر کی کلیت کو دیکھ کر امور عالم کو چلا رہے ہوتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک جزا و سزا اور تقدیر کے نفاذ کی حکمت اکثر ظاہری علم و قانون سے مختلف ہوتی ہے لیکن وہ جن کا عقلی وجدان بیدار ہو، ان کی حکمت کو جانتے اور اس کی تائید کرتے ہیں۔

ایوان الصّالحین یا رُوحانی دربار:

یوں تو ابدال اولیاء اللہ سال میں مختلف مقامات پر جمع ہوتے ہیں۔ ان کی دوسرے ولیوں سے ملاقات بھی ہوتی ہے لیکن ہر روز بھی غوث کا دربار لگتا ہے جس میں غوث صدر نشین ہوتا ہے اور اقطاب عالم اس کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ اونچے درجے کے روحانین سب اس جگہ موجود ہوتے ہیں۔ اس موقعہ پر امت کے تمام مسائل پر فیصلہ ہوتا ہے۔ اہل حل وعقد اولیاء اللہ کے علاوہ مقتدر جنات کو بھی شریک کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض امور ان سے متعلق ہوتے ہیں۔ سید عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں یہ دربار صبح کے وقت غار حرا کے باہر منعقد ہوتا تھا اور تمام اطراف جہاں کے اقطاب وہاں طے الارض کی قوت سے پہنچ کر اس میں شریک ہوتے تھے لیکن یہ مقام تبدیل بھی ہوتا رہتا ہے۔ ان کے زمانے میں دربار غار حرا کے پاس لگتا تھا مگر کہا جاتا ہے، آج اس کی جگہ اور ہے۔ تاہم ایوان الصالحین کا جو نقشہ غوث الزمان حضرت سید عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ علیہ نے کھینچا ہے اس کی صورت اب بھی وہی ہوگی۔ وہ فرماتے ہیں:

رات کے تیسرے حصے میں روحانین کی یہ مجلس منعقد ہوتی ہے یہی وہ ساعت اجابت ہے جس کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔ غوث اس طرح بیٹھتا ہے کہ چار قطب اس کے دائیں طرف ہوتے ہیں اور تین دوسرے طرف، وکیل غوث کے سامنے ہوتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے ہیں تو غوث وکیل کی جگہ پر آجاتا ہے اور وکیل پچھلی صفوں میں لوٹ جاتا ہے۔ وکیل کے پیچھے چھ صفیں ہوتی

ہیں جن کا حلقہ چوتھے قطب سے شروع ہو کر اس قطب پر ختم ہوتا ہے جو تین قطبوں کے بائیں جانب ہے۔ چنانچہ یہ سات قطب حلقہ کی ایک طرف کا کام دیتے ہیں۔ اسی طرح صفیں بن جاتی ہیں۔ کچھ عورتیں بھی اس دیوان میں حاضر ہوتی ہیں مگر ان کی تعداد کم ہوتی ہے اور ان کی تین صفیں بائیں جانب کے اقطاب ثلثہ کی جانب اور صف اول کے دائرہ سے اوپر غوث اور اقطاب ثلثہ کے درمیان خالی جگہ میں ہوتی ہے۔ گذشتہ لوگوں میں سے بعض کاملین بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں مگر زندہ لوگوں کے معاملات میں ان سے مشورہ نہیں کیا جاتا۔ دیوان میں فرشتے بھی حاضر ہوتے ہیں مگر وہ صفوف کے پیچھے ہوتے ہیں اور کاملین جنات بھی آتے ہیں اور وہ سب کے پیچھے بیٹھتے ہیں لیکن ان کی پوری ایک صف بھی نہیں ہوتی۔ یہ صاحب تصرف اولیاء کی امداد کے لئے موجود ہوتے ہیں بلکہ ہر شہر میں اولیاء اللہ کی امداد کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ شب قدر کو انبیاء کرام علیہما السلام بھی اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں۔

(حقیقت ابدال ورجال الغیب)

☆☆☆☆☆☆

راہِ طریقت اور صوفی شعراء کا عارفانہ کلام

مولانا روم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے پیر کامل کی لمحہ بھر کے لیے صحبت حاصل کی تو اس کی یہ صحبت سو سالہ طاعت بے ریا سے بہتر تصور کی جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی صحبت کے وصف سے اصحاب رسول ﷺ کہلائے۔ اور صحبت کے باعث ساری دنیا کے عابدوں سے افضل قرار دیے گئے۔

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

(اولیائے کرام کی ایک گھڑی کی صحبت سو سالہ بے ریاء اطاعت سے بہتر ہے۔)

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانبِ دلدار کن

(سو کتابیں اور سو اوراق آگ میں پھینک دو اور اپنے دل کا چہرہ اپنے محبوب کی طرف کرلو۔)

پیرِ کامل صورتِ ظلِ الٰہ
یعنی دید پیر دیدِ کبریاء

(پیر کامل خدا کا سایہ ہے گویا پیر کا دیدار خدا کا دیدار ہے۔)

ہر کہ پیر و ذات را یکجا نہ دید
نے مرید و نے مرید و نے مرید

(جو کہ خدا اور پیر کی ذات کی یکجا نہیں دیکھتا وہ مرید نہیں ہرگز مرید نہیں۔)

ہر کہ بیند روئے پاکاں صبح و شام
آتش دوزخ شود بروئے حرام

(جو پاک لوگوں کا چہرہ صبح وشام دیکھتا ہے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔)

سرمہ کن در چشم خاکِ اولیاء

تا کہ بیند ابتدا تا انتہا

(اولیاء کی خاکِ پا کو سرمہ بناؤ تا کہ اول تا انتہا چیزوں کا مشاہدہ کرلو۔)

میاں محمد بخش رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا عارفانہ کلام

پنجاب میں میاں محمد بخش کھڑی شریف والوں کا پنجابی صوفیانہ کلام بے حد مقبول ہے اور زبان زد خاص و عام ہے۔ پڑھنے والے اسے ایک خاص روایتی ترنم سے روحانی محفلوں میں سناتے ہیں۔ آپ ایک نہایت بلند پایہ مشہور عالم اور صوفی شاعر تھے۔ آپ کا کلام موضوع گفتگو پر روحانی حقائق کی اس خوبصورتی سے ترجمانی کرتا ہے کہ سننے والوں کو اس کے مضامین کا الہامی ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا۔

میاں محمد بخش رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام ایسا نہیں کہ انہوں نے خود اپنے پاس سے خیالات کا اظہار کیا ہو بلکہ اس میں آپ نے محض ان باتوں کا چناؤ کیا ہے جو قرآن و حدیث یا مشائخ کبار کے اقوال سے ثابت ہوں۔ اور جن پر تمام صوفیائے کرام کا اتفاق رائے ہو چکا ہو۔ صاحب دل لوگوں کو تو قطعاً ان کے اقوال سے اختلاف نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ کلام سچائی، حقیقت، معرفت اور طریقت کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔ اس جگہ آپ کے کلام کے چند نمونے پیش کئے جا رہے ہیں۔ جو عوام میں بہت زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔ آپ کا ایک ایک شعر ضرورت شیخ، افادیت شیخ اور تصرف شیخ کی نشاندہی کرتا ہے۔

رحمت دا دریا الٰہی ہر دم وگدا تیرا

جے اک قطرہ مینوں بخشیں کم بن جاوے میرا

سب کجھ کیتا یار حوالے تن من جان وی تیری
میں کوجھی دا مرشد تو ایں لاج رکھیں ہن میری
مرشد دا احسان میرے تے سار لئے محتاجاں
ایتھے اوتھے دوئیں جہانیں پیر میرے نوں لاجاں
پیر دے ہتھ وچ ہتھ نوں دے کے بھید نہ دلدا کھولیں
جیہڑا کلمہ پیر پڑھاوے اوہی کلمہ بولیں
لوئے لوئے بھرلے کڑئیے جے تدھ بھانڈا بھرنا
شام پئی بن شام محمدؐ، گھر جاندی نے ڈرنا
جنہاں عشق نمازاں پڑھیاں اوہ کدے نہ مردے
کامل مرداں دے در جا کے ویکھ لے دیوے بلدے
راہ دے راہ دے ہر کوئی آکھے، میں وی آکھاں راہ دے
بن مرشد تینوں راہ نئیں لبھنا مر ویسیں وچ راہ دے
مالی دا کم راکھی کرنا، پھل پکے ہوون یا کچے
پیر مریداں دے سر تے رہندے جھوٹے ہوون یا سچے

بُرے بندے دی صحبت یارو! جیویں دکان لوہاراں
کپڑے بھنویں کنج کنج بہیے، چنگاں پین ہزاراں
چنگے بندے دی صحبت یارو! وانگ دکان عطاراں
سودا بھانویں مول نہ لیئے بلھے آون ہزاراں

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی
مرد نگاہ کرن جس ویلے، مشکل رہے نہ کائی

قلم ربانی ہتھ ولی دے لکھے جو من بھاوے
مرداں نوں رب قدرت بخشی لکھے لیکھ مٹاوے

جے لکھ زہد عبادت کریئے بن عشقوں کس کاری
جاں جاں عشق نا ساڑے تینوں تاں تاں نبھے نہ یاری
جس دل اندر عشق نہ رچیا، کتے اس تھیں چنگے
خاوند دے در راکھی کر دے، صابر، بھکھے، ننگے

عاماں بے اخلاصاں اندر خاصاں دی گل کرنی
مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی
نیچاں دی اشنائی کولوں فیض کسے نئیں پایا
کِکر تے انگور چڑھایا ہر گچھا زخمایا

میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے جو کچھ ملا اپنے مرشد سے ہی ملا ہے۔ مرشد کی محبت سے حاصل کردہ فیض کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

میں نیواں میرا مرشد اچا میں اچیاں دے سنگ لائی
صدقے جاواں انھاں اچیاں اُتوں جھاں نیویاں نال نبھائی
صحبت مجلس پیر میرے دی بہتر نفل نمازاں
ہر ہر سخن شریف انہاں دا کردا محرم رازوں
چھبی مار لیاون موتی وحدت دے دریاؤں
کھریاں گلاں کھریاں چالاں، دامن پاک ریاؤں
خشخش جناں قدر ناں میرا، صاحب نوں وڈیائیاں
میں گلیاں دا روڑا کوڑا محل چڑھایا سائیاں

کلام حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کو دنیائے روحانیت میں جو مقام حاصل ہے اس سے کون آشنا نہیں۔ آپ کے بلند پایہ عارف باللہ اور عالی مرتبت ولی ہونے کے ناطے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا کلام قرآن اور سنت کے معارف سے لبریز ہے۔ اور آپ کے فرمودات میں قرآن اور حدیث سے متعارض ہونے یا متضاد ہونے کا ہرگز ہرگز کوئی شائبہ تک نہیں۔ آپ کے کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مشائخ سے نسبت کا ہونا ہر مسلمان کے لیے ایک نہایت اہم امر ہے۔ بلکہ اس گروہ کے ساتھ لاتعلقی کی زندگی گزارنے والا مسلمان روح اسلام کی دولت سے قطعاً محروم رہتا ہے۔ آپ کے افکار کے مطابق ایک مسلمان کے لیے روحانیت کے بغیر پکا اور سچا مسلمان بننا کسی صورت بھی ممکن نہیں۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ادبیات اور دیگر تصانیف میں جو کچھ لکھا ہے وہ زیادہ تر مرشد سے محبت کرنے اور اس کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر فیض حاصل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ آپ نے اپنے کلام میں ایک نہایت پروقار فقر۔ صوفیانہ بلند ہمتی، اور خودگری کے نمونوں کو مریدوں کے لیے پیش کیا ہے۔ تاکہ وہ طریقت کے اغراض و مقاصد کو سمجھ سکیں۔ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے شیخ سے براہ راست تعلق رکھنے، رشد و ہدایت کی زندگی اختیار کرنے، مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کا دم بھرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے کلام میں ملتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلاں تے آئی ہو
جیوے مرشد کامل باہوؒ جیں اے بوٹی لائی ہو

مرشد اوہ پھڑیئے جیہڑا دو جگ خوشی دکھائے ہو
اول غم ٹکرے دا میٹے وت رب دا راہ سمجھائے ہو
کلر والی کندھی نوں چا چاندی خاص بنائے ہو
جس مرشد اتھ کجھ نہ کیتا اس نوں ندی رڑھایئے ہو

مرشد سے بیعت کا سب سے بڑا مقصد یہی ہوتا ہے کہ عبادت میں خدا کی حضوری میسر ہو جائے اور خدا کو راضی کرنے کے طریقے بے نقاب ہو جائیں۔ اگر کسی کامل، مکمل راہ دان اور رہبر پیر کی رہنمائی حاصل ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ خاردار جھاڑی پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ نیچے دیئے گئے اشعار سے یہی معنی مقصود ہیں۔

تسبیح پھیری تے دل نہ پھریا کیہہ لینا تسبیح پھڑ کے ہو
علم پڑھیا تے ادب نہ سکھیا کیہہ لینا علم نوں پڑھ کے ہو
چلہ کٹیا تے کجھ نہ کھٹیا کیہہ لینا چلیاں وڑ کے ہو
جاگ بناں ددھ جمدے ناہیں بھنویں لال ہوون کڑھ کڑھ کے ہو
باجھ حضور نئیں منظوری پئے پڑھن بانگ صلاتاں ہو
روزے نفل نماز گزارن پئے جاگن ساریاں راتاں ہو
باجھوں قلب حضور نہ ہووے پئے کڈھن سے زکاتاں ہو
باجھ فنا رب حاصل ناہیں نہ تاثیر جماتاں ہو

☆☆☆☆☆☆

فہرست اصطلاحات

(الف)

(ب)

بقا — برزخ

بیعت — برزخِ شیخ

بُعد — بازگشت

بشری صفات

(ت)

تفکر — تجلیات الٰہی

تجدید ایمان — تلوین

تمکین — تدبر

تخلیہ — توبہ

تصرف — تصرف قلبی

تواجد — توجہ

تجلی — تصورِ شیخ

تجرید وتفرید — تسلیم ورضا

تجرد — توحید

توجہ — تقدیر معلق تقدیر مبرم

تکوینی — توحید خالص

تجلّی جلالی — تحیر

توکل

(ج)

جمع — جمع الجمع

جمال — جسم مثالی

(ح)

حدس
حال و مقام
حال و قال
حضور
حقیقت
حیرت
حقیقت مراقبہ
حجاباتِ نورانی و ظلمانی
حظیرۃ القدس
حضورِ قلب

(خ)

خلیفہ
خرقہ
خفی
خودی

(د)

درویش
دنیا
دل

(ذ)

ذکرِ دوام
ذکرِ لسانی
ذکرِ قلبی
ذکرِ نفی اثبات
ذات

(ر)

روحانی لطائف
رجاء
رویائے صالحہ
رویت
ریاضت
ریحان

روح حیوانی | روح انسانی
روح القدس | رشحات
رضا | راہِ انابت
راہِ اجابت | روحانی معراج
رجال الغیب | روحانی نظامِ خدمت
رند

(ز)

زہد | زہد وورع کا فرق
زاہد خشک وزاہد تر

(س)

سیر | سکر
سلطان الذکر | سرّ
سعادت | سیر الی اللہ
سیر فی اللہ | سیر من اللہ

(ش)

شطعات | شکر

(ص)

صوتِ مستقیم | صحو
صوتِ سرمدی | صاحبِ حال
صاحبِ تصرف | صاحبِ مشاہدہ

صفاتِ ملکوتی
صبر

(ط)

طیر
طوالع
طے الارض

(ع)

عارف
عقل کل
علم لدنی
علم ظاہر
علین
عالم ناسوت
عالم ملکوت
عالم جبروت
عالم ہاہوت
عالم حکمت
عالم قدس
عبدیت کامل
علم وفقر
عشق حقیقی

(غ)

غیبت
غلبۂ عبدیت

(ف)

فقر
فنا
فراست
فکر
فیض
فنا اور فناء الفناء میں فرق
فنا اور بقا
فنا فی شیخ، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ
فتح یاب

(ق)

قربِ الٰہی — قوت روحانی وجسمانی

قلندر — قرب وبُعد

قلب — قطبِ مدار

قلندر کا مقام — قناعت

(ک)

کثافت — کشف

کشفِ کونی — کشفِ ذاتی

(ل)

لطافت — لوائح

لوامع — لطیفہ

لطائفِ ستّہ

(م)

محویت — مراقبہ

محویت تامہ — مقام

مجذوب — مکاشفہ اور اشراق

مجہول کیفیات — مبتدی

معرفت — محبتِ عامہ

مقام رضا — مصلحتِ تکوینی

مبداء ومعاد — مصطلحات

مکاشفہ | مکتوبان

مفردان | ملکوتی صفات

(ن)

نجباء، نقباء | نسبت

نفحات | نوری صفات

(و)

وجد | وحی

وصل | وحدت الوجود وحدت الشہود

وجود | وجود مکتسب

وقوف زمانی | وقوف عددی

وقوف قلبی | ورع

(ہ)

ہمت

(ی)

یادکرد | یادداشت

کتابیات

نمبر شمار	نام کتاب	پبلشرز
1-	تفسیر ضیاء القرآن	ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ (ضیاء القرآن پبلیکیشنز دربار مارکیٹ لاہور)
2-	عرفان القرآن	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری (منہاج القرآن پبلیکیشنز۔365 ایم۔ماڈل ٹاؤن۔لاہور)
3-	مکشوفاتِ منازلِ احسان المعروف بہ مقالاتِ حکمت	حضرت ابوانیس محمد برکت علی قدس سرہٗ (دارالاحسان پبلیکیشنز، فیصل آباد)
4-	کتاب العمل بالسنہ المعروف ترتیب شریف	حضرت ابوانیس محمد برکت علی قدس سرہٗ (دارالاحسان پبلیکیشنز، فیصل آباد)
5-	تاجدار دارالاحسان (حصہ اول)	دین محمد ضمیر (دارالاحسان تبلیغی مرکز، ٹکے والہ، فیصل آباد)
6-	مکشوفات منازل احسان	حضرت ابوانیس محمد برکت علی قدس سرہٗ (دارالاحسان، ضلع فیصل آباد)
7-	روضۃ السالکین فی مناقب اولیاء والصالحین	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری (منہاج القرآن پبلیکیشنز۔365 ایم۔ماڈل ٹاؤن۔لاہور)
8-	کشف الاحسان	کرنل (ر) محمد عبدالرحمٰن (مجلسِ اتحاد بین المسلمین۔ایف۔۱۰۔اسلام آباد
9-	اسرار گوہر	علامہ محمد شاہد جمیل اویسی گوہروی (جامعہ اویسیہ گوہریہ بونکن روڈ۔سیالکوٹ)

10- احیاء العلوم — حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ
(شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور)

11- مقالات جلد اول — ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ
(ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور)

12- تعمیر ملت — خواجہ عبدالحکیمؒ
(قاسم سنز پبلیکیشنز، انارکلی، لاہور)

13- سوانح نوشہ گنج بخشؒ آثار و احوال — حضرت نوشہ گنج بخشؒ
(مقصود پبلیشرز، اردو بازار، لاہور)

14- تصوف کیا ہے؟ — محمد منظور نعمانی
(ادارہ اسلامیات، انارکلی بازار، لاہور)

15- اسلام اور روحانیت اور فکر اقبال — پیر عبداللطیف نقشبندی
(ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور)

16- عقائد میں احتیاط کے تقاضے — شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
(منہاج القرآن پبلیکیشنز، ماڈل ٹاؤن، لاہور)

17- حقیقتِ تصوف — شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
(منہاج القرآن پبلیکیشنز، ماڈل ٹاؤن، لاہور)

18- ماہنامہ منہاج القرآن لاہور — (منہاج القرآن پبلیکیشنز، ماڈل ٹاؤن، لاہور)

19- سِر الاسرار — سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
(قادری رضوی کتب خانہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

20- سِرّ دلبراں — حضرت شاہ سید محمد ذوقیؒ

(الفیصل ناشران وکتب تاجران، اردو بازار، لاہور)

21- گلشنِ فقہ وتصوف — عارف علی قادری

(انجمن غوثیہ خدام سدرہ شریف، ڈیرہ اسماعیل خان)

22- سعادت العباد شرح مبداء معاد — پیر سعید احمد مجددیؒ

(عالمی ادارہ تنظیم الاسلام، 121، بی ماڈل ٹاؤن، گوجرانوالہ)

23- شرح قصیدہ غوثیہ — ابوالفیض قلندر علی سہروردی

(نوریہ رضویہ پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور)

24- تصوف وطریقت — سید شاہ تراب الحق قادری

(افکار اسلامی، جامع مسجد کنز الایمان، آئی ٹن ون، اسلام آباد)

25- سلوک وتصوف کا عملی دستور العمل — شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

(منہاج القرآن پبلیکیشنز، 365۔ ایم ماڈل ٹاؤن، لاہور)

26- وجد — شیخ الحدیث مفتی غلام فرید ہزاروی

(محمدیہ سیفیہ پبلیکیشنز گوجرانوالہ)

27- رسالہ قشیریہ — ابوالقاسم عبدالکریم قشیری

(مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ، لاہور)

28- انقلاب الحقیقت — صاحبزادہ محمد عمرؒ

(ادارہ تصوف، موہنی روڈ، لاہور)

29- الفقر فخری — ابوالفیض قلندر علی سہروردی

(مرکزی مجلس سہروردیہ، لاہور)

30- شرح لوائح جامیؒ — شارح: واحد بخش سیال ربانیؒ۔

(بزم اتحاد المسلمین، طارق روڈ، لاہور کینٹ)

31- دعوتِ ارواح — محمد ارشد قادری سروری
(انجمن خدام الاولیاء، پناکے شریف، فیصل آباد)

32- شروع الغیب ترجمہ فتوح الغیب — علامہ غلام معین الدین قادری
(زاویہ پبلیکیشنز، دربار مارکیٹ، لاہور)

33- فساد قلب اور اس کا علاج — شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
(منہاج القرآن پبلیکیشنز، ماڈل ٹاؤن، لاہور)

34- بیعت کی تشکیل اور تربیت — پیر عبداللطیف خان نقشبندی
(جنگ پبلشرز، سر آغا خان روڈ، لاہور)

35- روحانیتِ اسلام — الحاج واحد بخش سیال ربانی
(بزم اتحاد المسلمین، طارق روڈ، لاہور)

36- رسائل نقشبندیہ — پیرزادہ اقبال احمد فاروقی
(مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

37- مہر منیر — پیر مہر علی شاہؒ
(پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، جی ٹی روڈ، لاہور)

38- مکتوباتِ قدوسیہ — شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ
(بزم اتحاد المسلمین، طارق روڈ، لاہور کینٹ)

39- مشاہدۂ حق — الحاج واحد بخش سیال ربانی
(الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار لاہور

40- رسالہ ہمعات — شاہ ولی اللہ دہلویؒ
(خانقاہ قادریہ مجددیہ، مجاہد آباد، ہب ریور روڈ، کراچی

41- شطعات — شاہ ولی اللہ دہلویؒ

(ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2، کلب روڈ، لاہور)

42- مجالسِ مرشد — محمد عمر حیات الحسینی

(المدینہ پبلیکیشنز، اردو بازار لاہور)

43- اخص الخواص — نواز رومانی

(نوریہ رضویہ پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور)

44- رابطہ شیخ — پیر عبداللطیف خان نقشبندی

(جنگ پبلیشرز، 13، سر آغا خان روڈ، لاہور)

45- حضورِ قلب — پیر عبداللطیف خان نقشبندی

(جنگ پبلیشرز، 13، سر آغا خان روڈ، لاہور)

46- ذکر خیر صحیفہ محبوب — محبوب عالم شاہ

(آستانہ عالیہ محبوبیہ توکلیہ سید اشریف، گجرات)

47- تذکرہ انوارِ صابری — حاجی محمد بشیر انبالویؒ

(انبالہ بک بائنڈنگ، سیشن محل روڈ، لاہور)

48- فقیری میں کیا رکھا ہے؟ — علامہ محمد لیاقت قادری

(میلاد پبلیکیشنز، دربار مارکیٹ، لاہور)

49- لطائفِ اشرف — ڈاکٹر سید محمد مظاہر اشرف اشرفی

(مکتبہ سمنائی، فردوس کالونی، کراچی)

50- مراۃ الاسرار — شیخ عبدالرحمٰن چشتی

(بزم اتحاد المسلمین، طارق روڈ، لاہور کینٹ)

51- اقتباس الانوار — شیخ عبدالرحمٰن چشتی

(بزم اتحاد المسلمین، طارق روڈ، لاہور کینٹ)

52- کشف المحجوب (شرح) حضرت سید علی ہجویریؒ

(الفیصل ناشران وکتب تاجران، اردو بازار، لاہور)

53- حقیقت ابدال ورجال الغیب سید احمد سعید ہمدانی

(حضرت غلام دستگیر اکادمی، دربار سلطان باہو، جھنگ)

54- عرفان حصہ اول نور محمد سروری قادری

عرفان منزل بمقام کلاچوی، ڈیرہ اسماعیل خان

55- ملفوظات مہریہ پیر سید مہر علی شاہ

(پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور)

56- فصوص الحکم شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ

(نذیر سنز اردو بازار، لاہور)

57- روحانیت اسلام اور سائنس خادم حسین تارڑ

(فاروقی کتب خانہ، ملتان)

58- مثنوی مولانا روم ترجمہ محمد نذیر عرشی

(شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور)

59- ابیات سلطان باہو کلام حضرت سلطان باہوؒ

(زاویہ پبلیشرز، دربار مارکیٹ، لاہور)

56- کلام میاں محمد بخشؒ میاں محمد بخشؒ

(مشتاق بک کارنر، اردو بازار، لاہور)

علامہ الحاج محمد ظہور الحسن قادری

کی دینی، ملی، روحانی اور عالمی حالاتِ حاضری پر فکر انگیز تصانیف

۱۔ امت مسلمہ (عبرتناک حال۔ تابناک مستقبل)

(عصر حاضر میں مسلمانوں کی بقا کا واحد راستہ)

صفحات 272 — قیمت 100 روپے

۲۔ مبشرات پاکستان (حصہ اول۔ حصہ دوم)

صفحات 300 — قیمت 200 روپے

۳۔ اسلام امریکہ میں۔ تیزی سے پھیل رہا ہے۔

صفحات 200 — قیمت 100 روپے

۴۔ جسم مثالی کے کمالات (تصرفات روح)

(بعد از وصال اولیائے کرام کے جسم مثالی کے کمالات پر مفصل کتاب)

صفحہ 120 — قیمت 100 روپے

۵۔ صوت سرمدی (روحانی و الہامی نشریات کی تشریح)

صفحات 32 — قیمت 30 روپے

۶۔ فضیلت شب بیداری:

(علامہ محمد اقبالؒ کے کلام کی روشنی میں شب بیداری کی ایمان افروز فضیلت)

صفحات 32 — قیمت 20 روپے

۷۔ شرح موتو اقبل ان تموتوا (طریقت کا ایک مایہ ناز مقام)

صفحات 128 — قیمت 100 روپے

کشفُ العِرفان

المعروف بہ

نصابِ روحانیت

الحاج محمد ظہورُ الحسن اویسی

حصہ اول

کشف العرفان (تصوف کی اصطلاحات اور مقامات کی شرح)

حصہ دوم

فضیلت شب بیداری (فقیر رات کو جاگتا ہے فقر خود نازل ہوتا ہے)

حصہ سوم

شرح موتوا قبل ان تموتوا (طریقت کا ایک مایہ ناز مقام)

حصہ چہارم

صوت سرمدی (روحانی موبائل سروس)

حصہ پنجم

جسم مثالی کے کمالات

★ ★ ★

صفحات : 464

-/450 روپے

جامعہ انوار مدینہ۔ محلہ محمد نگر کمالیہ (ٹوبہ ٹیک سنگھ) 0334-6423073

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، 11۔ داتا گنج بخش روڈ لاہور 042-37313885

وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے نظروں کے آتا ہے (اقبال)